پاکستان میں حقیقی تبدیلی

ضرورت و اَہمیت اور ممکنہ راستہ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

تحریکِ منہاج القرآن

365۔ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون نمبر : 042-111-140-140

www.Minhaj.org

www.facebook.com/MinhajulQuran

www.Nizambadlo.com - www.facebook.com/Tahirulqadri

سیاست نہیں - ریاست بچاؤ

پاکستان میں حقیقی تبدیلی

﴿ضرورت و اَہمیت اور ممکنہ راستہ﴾

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

پاکستان میں حقیقی تبدیلی

﴿ضرورت و اَہمیت اور ممکنہ راستہ﴾

خطبات: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

مرتبین: ڈاکٹر علی اکبر الازہری، جلیل اَحمد ہاشمی

تدوین و تلخیص: محمد فاروق رانا

اِشاعت اَوّل: نومبر 2012ء (5,000)

اِشاعت دوم: دسمبر 2012ء (10,000)

فہرست

☆ پیش لفظ 6

۱۔ اِبتدائیہ 7

۲۔مہلک قومی اَمراض 9

(۱) کیا پاکستان آزاد ملک ہے؟ 10

(۲) مہلک قومی اَمراض کی شناخت 11

(۳) جمہوریت اور عدلیہ 12

(۴) مختلف ممالک میں عدلیہ کی برتری اور اس کی امتیازی حیثیت 13

(۵) آزاد میڈیا کی بے توقیری 14

(۶) کرپشن اور پاکستان 15

(۷) اِفراطِ زر اور پاکستان 16

(۸) پاکستان میں GDP کی شرحِ نمو 17

(۹) قرضہ جات کا حجم 17

(۱۰) بیروزگاری اور پاکستان 18

(۱۱) پاکستان کا تعلیمی بجٹ 18

(۱۲) قومی بجٹ اور صحت 19

www.Nizambadlo.com - www.facebook.com/Tahirulqadri

(۱۳) غربت	20
(۱۴) لمحہ فکریہ!	21
۳۔ قوم دشمن نظام کے اَجزاے ترکیبی	23
(۱) نظامِ سیاست اور دجالی پنجۂ اِستبداد	26
(۲) سیاسی اِجارہ داریاں	27
(۳) Status quo کے مختلف مہرے	28
(۴) مختلف نعروں کی سیاست	29
(۵) حقِ نمائندگی یا کاروبار؟	30
(۶) انتخابی ڈرامہ عوام کا سب سے بڑا دشمن ہے	32
۴۔ نام نہاد پاکستانی جمہوریت کا بدنما چہرہ	34
(۱) حقیقی جمہوریت اور اُس کے تقاضے	34
(۲) 'جمہوریت' یا 'مجبوریت'	36
(۳) جمہوریت کی مضبوطی کے تین طریقے	37
(۴) ترقی یافتہ ممالک میں جمہوریت کا سفر	38
(۵) جمہوریت کی ضروری شرائط	39
(۶) جمہوریت یا طاقت ور گھوڑوں کا مقابلہ؟	42
(۷) اسٹیبلشمنٹ کی دخل اندازی	43
(۸) Split مینڈیٹ اور حکومتی پارٹیوں کا مفاداتی ایجنڈا	44

۵۔تبدیلی کے ممکنہ راستے 45

(۱) تبدیلی لانے کے تین ممکنہ راستے 45

(۲) جمہوریت کی گاڑی 49

(۳) تبدیلی کا عمل کہاں سے شروع ہو؟ 50

(۴) اگر یہ نظام ہے تو پھر بدنظمی کیا ہوتی ہے؟ 51

۶۔موجودہ نظامِ سیاست و اِنتخابات کے خلاف جد و جہد کی ناگزیریت 53

(۱) کرپٹ نظامِ اِنتخابات اور اس کے بھیانک نتائج 53

(۲) آئندہ اِنتخابات کا متوقع نقشہ 54

(۳) تبدیلی کا صرف ایک راستہ ہے 55

(۴) ابھی وقت ہے! 55

(۵) فساد کہاں سے جنم لیتا ہے 61

(۶) اِجتماعی اِصلاح کی ناگزیریت 62

(۷) اِجتماعی اِصلاح کونظرانداز کرنے کے نقصانات 62

(۸) عذابِ اِلٰہی کا نزول 65

۷۔ سیاست یا ریاست؟ 70

پیش لفظ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی زیرِ قیادت وطنِ عزیز میں تحریک بیداریِ شعور کا بھرپور طریقے سے باقاعدہ آغاز سالِ رفتہ میں کیا گیا تھا تاکہ عوام کو اِس ملک کے اَبتر حالات اور اس میں مروّج فرسودہ نظام سے آگاہ کیا جائے جو سراسر دجل وفریب، ظلم و نااِنصافی، خیانت و بددیانتی، کرپشن و لوٹ مار اور غریبوں کو اُن کے حقوق سے محروم رکھنے پر قائم ہے۔ اس ضمن میں تحریک منہاج القرآن اور پاکستان عوامی تحریک کے پلیٹ فارمز پر ورکر کنونشنز کے انعقاد کے ساتھ ساتھ قومی سطح پر بھی نہایت اہم پروگرام ترتیب دیے گئے۔ علاوہ ازیں پورے ملک میں صوبائی و ضلعی اور تحصیلی سطح سے لے کر گراس روٹ لیول تک بیداریِ شعور کے پروگرامز منعقد کیے جا رہے ہیں۔

تحریک بیداریِ شعور کے تحت ہونے والے پروگرامز سے مختلف مواقع پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی نے براہِ راست خطابات بھی فرمائے جن میں آپ نے پاکستان کے موجودہ سیاسی و اِقتصادی اور معاشرتی حالات کے کامل تجزیہ کے ساتھ ساتھ مثبت اور پُراَمن تبدیلی کا لائحہ عمل دیا ہے۔ زیرِنظر کتابچے میں آپ کے تمام خطابات کو یک جا کرتے ہوئے ایک ملخص شکل میں ترتیب دیا گیا ہے تاکہ اَفرادِ ملّت میں شعور و آگہی پیدا ہو سکے۔ تحریکِ بیداریِ شعور کے فروغ میں حصہ لینے والے تمام کارکنان اور وطنِ عزیز میں 'حقیقی تبدیلی' کے خواہش مند جملہ اَربابِ دانش اور صاحبانِ فکر و نظر سے درخواست ہے کہ اِس حیات بخش تحریر کو ہر خاص و عام تک پہنچا دیں تاکہ وطنِ عزیز میں 'حقیقی تبدیلی (change)' کا خواب اپنی روح کے ساتھ شرمندۂ تعبیر ہو سکے۔

(ڈاکٹر رحیق اَحمد عباسی)

ناظمِ اَعلیٰ، تحریکِ منہاج القرآن

www.Nizambadlo.com - www.facebook.com/Tahirulqadri

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۔ اِبتدائیہ

مملکتِ خدا داد پاکستان، مسلمانانِ برصغیر کی عظیم جد و جہد اور لاکھوں جانوں کی قربانیوں کے نتیجے میں معرضِ وجود میں آیا۔ حکیم الامت علامہ محمد اِقبالؒ کا خواب اور قائد اعظم محمد علی جناحؒ کا تصورِ پاکستان ایک ایسی آزاد مملکت کا قیام تھا جو خود مختار ہو، جہاں حقیقی جمہوری نظام قائم ہو؛ معاشی مساوات، عدل و انصاف، حقوقِ انسانی کا تحفظ، قانون کا احترام اور اَمانت و دیانت جس کے معاشرتی امتیازات ہوں؛ جہاں حکمران عوام کے سامنے جواب دہ ہوں؛ جہاں فوج آزادی وخودمختاری کی محافظ ہو؛ جہاں عدلیہ آزاد اور خود مختار ہو اور جلد اور سستے انصاف کی ضامن ہو؛ جہاں کی بیورو کریسی عوام کی خادم ہو؛ جہاں کی پولیس اور انتظامیہ عوام کی محافظ ہو۔ الغرض یہ ملک ایک آزاد، خود مختار، مستحکم، اِسلامی، فلاحی ریاست کے قیام کے لئے بنایا گیا تھا، لیکن آج ہمارا حال کیا ہے؟ ہم کہاں کھڑے ہیں؟

قیامِ پاکستان کے وقت برصغیر پاک و ہند میں مسلمان ایک قوم کی حیثیت رکھتے تھے اور اُس قوم کو ایک ملک کی تلاش تھی جب کہ آج 65 برس بعد ملک موجود ہے مگر اِس ملک کو قوم کی تلاش ہے۔ 1947ء میں ہم ایک قوم تھے، اللہ رب العزت کی مدد و نصرت ہمارے شاملِ حال ہوئی اور اُس قوم کی متحدہ جد و جہد کے نتیجے میں ہمیں یہ ملک ملا۔ ابھی 25 برس بھی نہیں گزرے تھے کہ ہم نے باہمی اِختلافات کے باعث آدھا ملک کھو دیا۔ آج آدھا ملک موجود ہے مگر کس قدر دکھ کی بات ہے کہ قوم مفقود ہے۔ آج ہماری قوم منتشر ہو کر کروڑوں اَفراد کا بے ہنگم ہجوم بن چکی ہے، ہماری قومیت گم ہوگئی ہے، محبت کا

www.Nizambadlo.com - www.facebook.com/Tahirulqadri

جو جذبہ ہم اپنے بچپن اور جوانی کے دور میں دیکھا کرتے تھے وہ بھی ناپید ہوگیا ہے؛ ہم دوبارہ اس قوم کو وحدت میں پرونا چاہتے ہیں۔ ہم اس ملک کو اِس کے باسیوں کی اُمیدوں کے مطابق بنانا چاہتے ہیں لیکن اس کے لیے ہمیں کچھ جرأت مندانہ کام کرنے پڑیں گے اور کچھ احتیاطیں برتنی پڑیں گی۔ ہمیں سنجیدہ ہوکر اس ملک میں جاری نظام کو تبدیل کرنا ہوگا۔ کیوں؟ اس لیے کہ پاکستانی قوم کو بے شعور بنا دیا گیا ہے۔ اِنصاف اس وقت مقتدر طبقات کی لونڈی ہے، جمہوریت ان کی عیاشی ہے، اِنتخابات اِن کا کاروبار ہیں اور عوام ان کے غلام ہیں جنہیں 5 سال کے بعد استعمال کیا جاتا ہے۔ جمہوریت کے نام پر جو کچھ اس ملک میں ہو رہا ہے یہ کسی طرح بھی جمہوریت نہیں ہے۔ نہ یہ حقیقی نظامِ اِنتخابات ہے اور نہ ہی اس طریقے سے کبھی تبدیلی (change) آئے گی۔ آپ اگر ’تبدیلی (change)‘ چاہتے ہیں تو اس کا راستہ الگ ہے، اور یہ ’بیداریِ شعور‘ کے بغیر ناممکن ہے۔

تحریکِ بیداریِ شعور کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ قوم عرصہ دراز سے جس تذبذب، سیاسی وفکری اِنتشار، سماجی خلفشار، عدمِ استحکام اور معاشی زبوں حالی بلکہ تباہ حالی میں مبتلا ہے اسے آگہی ہو کہ اس مرض کا اصل سبب کیا ہے۔ اور مرض کی تشخیص کے بعد یہ جاننے کی کوشش کی جائے کہ اس کا صحیح علاج کیا ہے۔ یہ ایک نئی فکر اور بالکل مختلف approach ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے بعض اینکرز، تجزیہ کار، مفکرین اور بہت سے کالم نگار میری بات سے اختلاف کریں گے اور اس پر توجہ بھی نہ دیں گے کیونکہ یہ سوچ روایتی سیاسی سوچ سے بالکل مختلف بھی ہے اور متصادم بھی۔ یہ دعوتِ فکر بہت سے زعما اور اہل فکر کی سوچ سے بھی مختلف یا متصادم ہے مگر ہماری اُن سے گذارش ہے کہ اِس پر خوب غور وخوض کیا جائے۔

ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ تمام سیاسی اَحباب ہر حال میں موجودہ اِنتخابی و سیاسی عمل کو برقرار رکھنے کے حق میں ہیں اور ان کا viewpoint یہ ہے کہ تبدیلی اس نظام

کے ذریعے اور اس نظام کے اندر رہتے ہوئے لائی جائے۔ یہی وجہ ہے ٹی وی پروگرامز میں اور اخبارات کے اداریوں اور آرٹیکلز میں زیادہ تر ایک ہی آپشن زیر بحث لائی جاتی ہے کہ اِسی نام نہاد جمہوری نظام کے اندر رہتے ہوئے تبدیلی لائی جائے؛ یا چینلز پر یہ دکھایا اور discuss کیا جاتا ہے کہ فلاں پارٹی کو اپنا لیں یا فلاں لیڈر اپنی خدمات بہتر طریقے سے deliver کرسکتا ہے یا فلاں پارٹی بہتر کارکردگی دکھا سکتی ہے۔ لیکن سوچ کا وہ رُخ جو ایک عرصے سے میں دکھا رہا ہوں تاحال قومی سطح پر discussion کے لیے اس قدر open نہیں ہوا جتنا ہونا چاہیے۔ میں دلائل کے ساتھ اپنی فکر قوم اور اہلِ فکر و نظر تک پہنچانا چاہتا ہوں کہ اگر سسٹم اور نظامِ انتخاب یہی رہا تو کوئی بھی پارٹی یا لیڈر دگرگوں حالات میں بنیادی تبدیلی نہیں لا سکتا بلکہ جو لیڈر، پارٹی یا لوگ اس نظام کا حصہ بنیں گے یہ نظام انہیں کھا جائے گا۔ اگر قوم اِسی نظامِ اِنتخابات کے ساتھ انتخابات میں گئی تو جو بھی نئی پارلیمان بنے گی اس پارلیمان کے ماتھے پر تبدیلی نہیں بلکہ پھر مایوسی کا لفظ لکھا نظر آئے گا۔

۲۔ مہلک قومی اَمراض

قیامِ پاکستان کے بعد ساڑھے چھ دہائیاں گزرنے کے بعد بھی ہمارا معاشرہ نہ جمہوری بن سکا نہ اسلامی؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم انسانی معاشرے سے بھی دور جاچکے ہیں۔ اسی خراب نظام کے باعث ہم زوال پذیر ہیں۔ جس معاشرے میں سیلاب زدگان کے لیے دنیا بھر سے آنے والا امدادی سامان کھا لیا جائے اور کمبل، کپڑے، مارکیٹ میں بک رہے ہوں اور یہ اٹھارہ کروڑ عوام سب کچھ دیکھ سن کر بھی خاموش تماشائی بن کے بیٹھے رہیں تو کیا اس معاشرے کو اسلامی و جمہوری یا انسانی معاشرہ کہیں گے؟ جس معاشرے میں زلزلے میں شہید ہونے والی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے ہاتھوں سے زیورات اتار لیے جائیں اور قوم گھروں سے احتجاج کے لئے باہر نہ آئے اس سوسائٹی کو اسلامی و جمہوری اور

انسانی کہیں گے؟ اس معاشرے کو کیا کہیں گے جس میں باپ اپنے بیوی بچوں کو قتل کردے اور اپنی بیٹیوں سے بدکاری کا مرتکب ہو؟ خودکشیاں اور خودسوزیاں بکثرت ہوں۔ جس کے دائیں بائیں پڑوس میں قتل ہوجائیں اور کسی کی آنکھ میں آنسو تک نہ آئے، حالانکہ ہم 1947ء میں ایسے نہ تھے۔ انہی نام نہاد جمہوری رہنماؤں اور فوجی لیڈروں نے رفتہ رفتہ اس معاشرہ کو نام نہاد جمہوریت کی آڑ میں تباہی کے دہانے تک پہنچا دیا ہے جس میں نہ اسلامی قدریں بچیں، نہ جمہوریت بچی اور نہ انسانیت بچی۔

(ا) کیا پاکستان آزاد ملک ہے؟

پوری قوم کی گاڑی میں تیل نہیں ہے، پوری قوم کا چولہا بند ہے، پوری قوم کی عزت لٹ رہی ہے، جان و مال محفوظ نہیں، قومی سالمیت بک چکی ہے۔ پاکستان اس وقت کالونی بن چکا ہے۔ اس کے پاس اب کوئی آزادی اور خودمختاری باقی نہیں رہی۔ حکمرانوں کی طرف سے یہ آزادی، خودمختاری کی باتیں سیاسی بیانات ہیں جو صرف جھوٹ، دجل فریب اور ایک مکاری ہے۔ یہ اس بدقسمت ملک کے سیاست دانوں کی عیاری ہے کہ قوم کو ہمیشہ دھوکے میں رکھیں اور لوگوں کو سبز باغ دکھا کر بہلاتے رہیں۔

انہوں نے یہاں دین کو بیچ دیا۔ اس کا نظریہ، اس کی نسلیں حتی کہ اس کے اپنے مستقبل کو بیچ دیا ہے- اب آپ کے پاس صرف یہ زمین ہے اور اس پر دیکھنے کو چند عمارتیں ہیں یا وہ رقوم ہیں جو غیر ملکی قرضوں اور امداد کی شکل میں آتی ہیں جسے کھانے والے کھا پی جاتے ہیں۔ اب ایک راستہ تو یہ ہے کہ اسی status quo پر گزارا کیا جائے اور اس طرح گزارا کرنے کا انجام پھر اور بدتر ہوتا ہے، اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ لوگوں کو کم سے کم اس خوفناک وقوع پذیر ہونے والی حقیقت سے آگاہ کیا جائے جو مکمل قومی تباہی کے سوا کچھ نہیں۔

(۲) مہلک قومی اَمراض کی شناخت

اِس وقت پاکستانی قوم جن بڑی اور مہلک بیماریوں میں مبتلا ہو چکی ہے ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

1. ہم ایک منتشر اور پارہ پارہ قوم بن چکے ہیں۔ ہمیں اِتحاد و یگانگت کی سخت ضرورت ہے۔ میری خواہش ہے کہ ہماری scattered اور disintegrated قوم کو unity مل جائے اور یہ دوبارہ وحدت کے رشتے میں پروئی جائے۔ مگر یہ کیسے ممکن ہے؟ اس کے لیے تبدیلی (change) چاہیے۔

2. قوم مایوس ہوچکی ہے۔ میں اس قوم کو مایوسی سے نکال کر امید کی نعمت اور یقین کے نور سے بہرہ مند دیکھنا چاہتا ہوں مگر یہ قوم مایوسی سے کیسے نکلے اور امید اور یقین کا نور ان کے چہروں پر کیسے پلٹ کے آ سکتا ہے؟ اس کے لیے بھی ایک بنیادی تبدیلی (change) کی ضرورت ہے۔

3. تیسری بات یہ ہے کہ بدقسمتی سے یہ قوم بے مقصدیت کا شکار ہوگئی ہے۔ اس قوم کے سامنے کوئی نصب العین نہیں رہا، جو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر منتشر ہو جانے والے جتھوں کو جوڑ کر ایک اکائی میں دوبارہ بحال کر سکے، جو قوم کے کروڑوں لوگوں کو باعزت جینے اور مرنے کا سلیقہ سکھا سکے۔ ہم اس قوم کو دوبارہ مقصد کا شعور اور آگہی دینا چاہتے ہیں۔ ہم گزشتہ 32 سالوں سے تحریک منہاج القرآن کے ذریعے بیداریِ شعور کا فریضہ نبھا رہے ہیں۔ اس بے مقصد قوم کو اب مقصد اور آگہی کا شعور کیسے ملے گا؟ ہماری غور وفکر کا نتیجہ یہی ہے کہ اس کے لیے بھی بنیادی تبدیلی (change) کی ضرورت ہے۔

4. اسی طرح یہ قوم بے سمت ہوگئی ہے۔ کراچی سے خیبر پختونخواہ تک اور کشمیر سے چمن کی سرحدوں تک من حیث القوم اس کی کوئی سمت نہیں رہی۔ اس کی سوچیں، وفاداریاں، بولیاں، مفادات، ترجیحات اور ایجنڈے سب متضاد ہیں۔ یہ ایک

directionless قوم بن چکی ہے۔ سترہ کروڑ بے ہنگم عوام کا ہجوم ایک قوم بن کر، ایک وحدت اور اکائی بن کر، ایک مقصد کے ساتھ ایک سمت کی طرف چل پڑے، لیکن یہ کیسے ممکن ہوگا؟ اس کے لیے ایک ہمہ گیر تبدیلی (change) کی ضرورت ہے اور وہ تبدیلی نظام میں انقلابی تبدیلی کے بغیر ممکن نہیں ہوگی۔

(۳) جمہوریت اور عدلیہ

انتخابات کے نتیجے میں جو جمہوری حکومتیں بنیں انہوں نے اپنے اپنے اَدوار میں بے تحاشہ بدعنوانیاں کیں۔ فرقہ وارانہ قتل و غارت گری بھی رہی اور دہشت گردی بھی فروغ پاتی رہی۔ یہ سیاسی دور ہی تھے جن میں سپریم کورٹ پر حملے ہوئے، پھر دو سپریم کورٹس بنیں۔ اور یہ بھی سیاسی دور ہی ہے کہ سپریم کورٹ کے فیصلوں پر عمل درآمد روک دیا گیا ہے۔ آج سپریم کورٹ فیصلہ کرنے میں آزاد ہے مگر عمل درآمد کرانے میں مقید ہے۔ سپریم کورٹ قیدی بن کے رہ گئی ہے، اس کے کسی فیصلے کا عملی اِحترام نہیں اور پارلیمنٹ اور سپریم کورٹ کے درمیان ایک تضاد اور تصادم کی فضا بھی آج کے اِسی جمہوری دور میں جاری ہے۔ سپریم کورٹ کے پاس یہ مینڈیٹ یا اتھارٹی ہی نہیں ہے کہ وہ حکومت کو عمل کرنے پر مجبور کرے۔

یہ بھی ایک المیہ ہے کہ مختلف سلگتے مسائل پر سپریم کورٹ صرف تجاویز اور سفارشات دے دیتی ہے؛ یہ تو وعظ کرنا ہوا، عدل و انصاف دینا تو نہ ہوا۔ جب تک ان پر عمل درآمد نہ ہو انہیں عدالتی احکام کیسے کہا جائے؟ جب کہ عمل درآمد انہی بااثر حکومتی طبقوں کے ہاتھوں میں ہے جس کے بارے میں کراچی کے واقعات کی تحقیقات کے دوران سپریم کورٹ نے خود لکھا کہ ان میں سے ہر ایک جماعت کے پاس دہشت گردی کی مسلح تنظیمیں ہیں جو خود اس دہشت گردی اور قتل و غارت گری، تباہی اور ہلاکت کی ذمہ دار ہیں۔ عمل درآمد کون کرے گا؟ جس سپریم کورٹ کے فیصلوں پر عمل درآمد نہ ہو، اس سپریم کورٹ کی آزادی کیا آزادی ہے؟ اب اگر کہیں کہ سپریم کورٹ آزاد ہے تو اس سے بڑا

اور کیا مذاق ہوسکتا ہے؟ وہ فیصلہ کرنے میں کیسے آزاد ہے جب کہ وہ اپنے فیصلوں پر عمل درآمد کرانے میں dependent ہے۔ وہ ایک جمہوری معاشرے کے قیام میں کیسے متحرک اور فیصلہ کن کردار ادا کر سکے گی؟

(۴) مختلف ممالک میں عدلیہ کی برتری اور اس کی امتیازی حیثیت

امریکہ میں سپریم کورٹ کو judicial review کا حق ہے۔ اگر امریکی کانگرس کوئی قانون پاس کردے تو امریکہ کی سپریم کورٹ کو پارلیمنٹ کی قانون سازی پر قانونی رائے دینے کا حق حاصل ہے یعنی اسے پارلیمنٹ پر برتری حاصل ہے۔ حالانکہ امریکی آئین میں کوئی آرٹیکل یہ اختیار سپریم کورٹ کو نہیں دیتا مگر دو سو سال کی تاریخ اور آئینی روایات اور عدالتوں کے فیصلے اس بات کے شاہد ہیں کہ سپریم کورٹ اس اختیار کو استعمال کر رہی ہے، جن میں کئی مرتبہ امریکی صدر اور کانگرس کے ایکٹ کو امریکی سپریم کورٹ نے غیر قانونی قرار دے کر منسوخ کردیا اور امریکی کانگرس نے سپریم کورٹ یا سپریم کورٹ کے فیصلے کو چیلنج نہیں کیا۔ سب سے پہلا فیصلہ جہاں سے سپریم کورٹ آف امریکہ نے یہ اختیار لیا تھا 1803ء میں ہوا۔ یعنی آج سے تقریباً دو سو آٹھ سال قبل۔ اس کے بعد پھر بہت سارے فیصلے ہوئے جیسے 1974ء میں صدر نکسن کے اختیارات کو سپریم کورٹ نے محدود کیا۔ صدر امریکہ کا خیال تھا کہ کسی کیس میں صدر کو طلب نہیں کیا جاسکتا لیکن سپریم کورٹ آف امریکہ نے نکسن کا یہ اِستدلال ردّ کردیا۔ جب ہم باقی باتیں سیکھتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ امریکہ سے جمہوریت بھی سیکھ لیں، عدلیہ اور اداروں کا احترام بھی سیکھ لیں۔ سپریم کورٹ نے حکومت کے کئی فیصلے ردّ کیے، صدر اور کانگرس کے فیصلے مسترد ہوئے۔ سپریم کورٹ کو 200 سال سے عملاً یہ برتری حاصل ہے اور کانگرس نے آج تک اسے چیلنج نہیں کیا۔ جب اس طرح ادارے مضبوط ہوتے ہیں تو پھر ملک میں نظام چلتا ہے۔

یہی پوزیشن جرمنی کی ہے۔ جرمنی میں judicial courts کو بھی یہی

www.Nizambadlo.com - www.facebook.com/Tahirulqadri

اختیارات حاصل ہیں جو پارلیمنٹ کے اوپر امریکہ کی سپریم کورٹ کو حاصل ہیں بلکہ امریکہ کی سپریم کورٹ سے بھی زیادہ اختیارات حاصل ہیں۔ وہ یہ طے کرتی ہے کہ پارلیمنٹ کا کوئی فیصلہ آئین کی اصل روح کے خلاف تو نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جرمنی میں عدلیہ کی اس طاقت نے جدید جمہوریت کے تحفظ میں شاندار کردار ادا کیا ہے۔ عدلیہ جمہوریت کی حفاظت کی ضامن ہے تاکہ سیاسی جماعتیں اپنی خواہش کے مطابق آئین اور ملک کو کسی اور راستے پر نہ چلا دیں۔

اسی طرح ناروے کی سپریم کورٹ کو یہ اختیارات حاصل ہیں کہ ناروے کی قومی اسمبلی کی پاس کئے ہوئے کسی ایکٹ کو بھی ردّ کرسکتی ہے۔

ڈنمارک کی سپریم کورٹ کو بھی یہی اختیارات حاصل ہیں۔ اگرچہ ان کا آئین کورٹ کے اس حق کو بیان نہیں کرتا مگر عملی طور پر سپریم کورٹ نے یہ اِختیارات observe کیے ہیں۔ حکومت اور پارلیمنٹ اسے تسلیم کرچکی ہے کیونکہ انہوں نے اس کا فائدہ دیکھا۔ اس طرح جمہوریت کی گاڑی غلط راستے پر نہیں جاتی اور پوری قوم کا جمہوریت پر اعتماد بڑھتا ہے۔

فرانس میں سپریم کورٹ کی بجائے ایک اور کورٹ ہے جس کا نام Constitutional Council ہے، وہ پارلیمنٹ کے ریگولیشن بھی مسترد کرسکتی ہے۔ یہ قانون 2010ء میں لاگو کیا گیا۔

میں بتانا یہ چاہتا ہوں ہم جن جمہوری ملکوں کی بات کرتے ہیں ان میں ادارے اتنے طاقت ور ہیں کہ حکومتیں اور پارلیمان سب سپریم کورٹ کے سامنے سرِتسلیم خم کرتے ہیں، کسی ملک میں لڑائی کبھی نہیں دیکھی گئی جبکہ پاکستان میں ادارے لڑتے ہیں اور جماعتیں لڑاتی ہیں۔ ایک دنگا فساد، تماشا اور ڈرامہ ہے۔ پاکستان میں ہم کس جمہوریت کی بات کرتے ہیں۔ ہمیں جمہوریت کے صحیح راستے پر عوام کو یہ باور کرانا ہوگا اور اداروں کو مضبوط کرنا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جمہوریت آج تک صحیح طریقے سے یہاں نہیں پنپ سکی،

جس کے نتیجے میں پورا ملک معاشی طور پر انتہائی بربادی کا شکار ہوگیا۔

(۵) آزاد میڈیا کی بے توقیری

یہاں با اختیار لوگ پریس اور میڈیا کی آزادی کی باتیں کرتے نہیں تھکتے کہ ملک میں میڈیا مکمل آزاد اور طاقت ور ہے۔ یہ کیسا جمہوری نظام ہے کہ میڈیا والے رات دن بول بول کر ہلکان ہوجائیں، کسی کے کان پر جوں نہیں رینگے گی؟ درجنوں ٹی وی چینلز صبح و شام بولتے ہیں، جو چاہیں بولتے رہیں مگر میڈیا کی کوئی نہیں سنتا۔ ایک وقت تھا کہ کسی صاحبِ اختیار کے خلاف اخبار میں ایک اداریہ لکھا جاتا تو حکومت کے وزیر مستعفی ہوجاتے تھے۔ اب کروڑ اداریے لکھ ڈالیں ان کے کان پر جوں نہیں رینگتی۔ میڈیا کی آزادی کا یہ مطلب ہے کہ جو چاہیں بولیں ہماری صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا؟ مغربی جمہوری ملکوں میں ایک اسٹوری اگر کسی ایم این اے یا ایم پی اے کے خلاف چھپ جائے یا کسی ایک ٹی وی چینل پر ایسی خبر آجائے تو اُسی وقت انکوائری ہوتی ہے اور اگر الزام ثابت ہوجائے تو وہ فارغ ہوجاتا ہے۔ حقیقت میں اِس کو میڈیا کی آزادی کہتے ہیں جس کا اثر بھی ہو اور اگر اثر نہیں ہوتا تو ایسی آزادی سے کیا حاصل؟

(٦) کرپشن اور پاکستان

پاکستان میں چونکہ جمہوریت صحیح روح کے ساتھ نہیں آئی۔ جب حقیقی روح نہ ہو تو کرپشن اور بربادی جنم لیتی ہے۔ آج پاکستان اقتصادی اعتبار سے بین الاقوامی برادری میں کرپشن میں 117 نمبر پر چلا گیا ہے۔ زیرو یا ایک نمبر ہو تو مطلب ہے یہاں کوئی کرپشن نہیں۔ نمبر جتنا جتنا بڑھتا جائے مطلب ہے کرپشن کا درجہ بڑھتا چلا گیا۔ ذرا غور فرمایئے کہ بھوٹان - جو کہ سارک ممالک کا چھوٹا غیر ترقی یافتہ ملک ہے - کرپشن میں درجہ (rank) 29 پر ہے۔ انڈیا کرپشن میں درجہ 70 پر ہے، سری لنکا کرپشن میں درجہ 74 پر ہے۔ کرپشن کی رینکنگ میں منگولیا جیسے ملک کا نمبر 92 ہے۔ بنگلہ دیش، زمبابوے اور

نائیجیریا کا کرپشن میں 108 نمبر ہے۔ یہ افریقہ کے چھوٹے چھوٹے ملک ہیں، بڑے ملک نہیں گنوائے۔ یہ سارے ملک پاکستان سے پیچھے رہ گئے۔ بات واضح کرنے کی غرض سے چند ملکوں کے ذکر پر اکتفا کیا ہے کہ ان میں پاکستان کا نمبر 117 پر جا پہنچا۔ اس میں فوجی آمروں کا دور بھی شامل ہے اور نام نہاد سیاسی جمہوری حکومتوں کا بھی۔ مسلسل کرپشن بڑھتی رہی کیونکہ جمہوریت اپنی روح کے ساتھ نہیں رہی۔ اس میں شفافیت نہیں، احتساب نہیں اور عوام کی شراکت اور مؤاخذہ نہیں ہے۔

ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل کی حالیہ رپورٹ کے مطابق موجودہ جمہوری حکومت کے طویل ترین دور میں 8 ہزار 500 ارب روپے بدعنوانی، ٹیکس چوری اور خراب طرزِ حکمرانی کی نظر ہوئے، جب کہ رپورٹ کے مطابق اَصل کرپشن اس سے کہیں زیادہ ہے۔ PIA، PSO، پاکستان اسٹیل، پاکستان ریلوے اور سوئی گیس جیسے منافع بخش ادارے سالانہ 150 سے 300 ارب روپے خسارہ میں ہیں۔ اِسی رپورٹ کے مطابق مالی سال 2011ء میں ٹیکس GDP کا تناسب ۱۱ فیصد سے کم ہو کر 9.1 فیصد رہ گیا جب کہ NAB اور FBR نے کرپشن روکنے کی بجائے الٹا کرپٹ لوگوں کا ساتھ دیا اور انہیں تحفظ فراہم کیا۔

(۷) اِفراطِ زر اور پاکستان

اِفراطِ زر تسلسل کے ساتھ پاکستان میں بڑھتا رہا ہے چاہے جمہوری دور ہو یا فوجی دور۔ مثلاً یہ 2004ء میں 4.6 اور 2005ء میں 9.8 تک تھا جو 2011ء میں بڑھ کر 16.1 فیصد سے زیادہ ہو چکا ہے۔ 2004ء کے مقابلے میں چار گنا زیادہ اِفراطِ زر ہو چکا ہے۔ عوام کو کیا پتہ کہ حقائق کیا ہیں! خود ساختہ اَعداد و شمار کے ماہر لوگ جس طرح چاہیں بیان کر دیں۔ جب کہ مالی سال 2011ء میں WPI یعنی wholesale price index پر مہنگائی کی شرح 26 فیصد تک رہی جو کہ صنعتوں کو زندہ درگور کر دینے کے مترادف ہے۔

(۸) پاکستان میں GDP کی شرحِ نمو

GDP کی شرحِ نمو کسی ملک کی معیشت کی صورتِ حال کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ ایک barometer ہے جس سے ملک کی معاشی ترقی یا تنزلی کا علم ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے ملک کی معاشی ابتری کے باعث ہماری GDP کی شرحِ نمو دیگر ممالک کے مقابلے میں کبھی بھی قابل ذکر نہیں رہی۔ 1995ء، 1996ء، 1997ء میں GDP میں FDI یعنی غیر ملکی سرمایہ کاری کا جو گراف پاکستان میں تھا، آج سولہ سترہ سال گزرنے کے بعد بھی کم و بیش وہی ہے۔ جبکہ دنیا کے دیگر ممالک کی GDP کی شرحِ نمو مسلسل بڑھی ہے۔ 2010ء-2011ء میں GDP میں direct investment کا گراف 1.6 پر کھڑا ہے۔

اِدارہ شماریات کے مطابق مالی سال 2010ء-2011ء میں GDP کی شرحِ نمو صرف 2.4 فیصد رہی جبکہ ٹارگٹ 4.5 فیصد تک کا تھا۔ جبکہ اِسی سال ترقی پذیر ممالک کے GDP کی شرحِ نمو اَوسطاً 6.5 فیصد رہی۔ حیرت انگیز اَمر یہ ہے کہ جنوبی ایشیائی ممالک میں یہ شرح 8.7 فیصد تک بھی رہی؛ لیکن پاکستان میں مستقل سرمایہ کاری کی شرح GDP کے تناسب سے 22.5 فیصد تک گر گئی اور 2011ء میں اس کی تنزلی کا تناسب 13.4 فیصد تھا جو گزشتہ چار دہائیوں کی کم ترین شرح ہے۔ حالیہ سرکاری رپورٹ کے مطابق اِس وقت شرحِ نمو ملکی تاریخ کی کم ترین سطح پر ہے۔

(۹) قرضہ جات کا حجم

قرضہ جات کا حجم 1999ء میں 3200 ارب تھا۔ جب جنرل مشرف کا دور ختم ہوا تو قرضوں کا حجم بڑھ کر 6691 ارب روپے ہوگیا اور آج اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی تازہ رپورٹ کے مطابق پاکستان کے کل قرضہ جات 14561 ارب روپے سے تجاوز کر گئے ہیں جو 2008ء سے اب تک تقریباً ایک سو فیصد سے بھی زائد کا اِضافہ ہے۔ اِن

اَعداد و شمار کے مطابق پاکستان کا ہر شخص 80,894 روپے کا مقروض ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بیرونِ ملک سے سرمایہ کاری نہیں ہوتی، قرضے کرپشن میں جاتے ہیں، موٴاخذہ اور احتساب نہیں ہے، پالیسیاں شفاف نہیں ہے، اختیارات مفاد پرست لوگوں کے ہاتھ میں ہیں۔ قانون پر عمل داری نہیں ہے، فوری انصاف نہیں ملتا اور ماحول سرمایہ کار کو سہولت نہیں دیتا۔ یہاں امن نہیں ہے۔ ملک کی تقدیر دہشت گردوں اور انتہا پسندوں کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہیں جب چاہیں اڑا دیں۔ ان حالات میں ملک میں کون سرمایہ لائے گا، اور کہاں لگائے گا؟

(۱۰) بیروزگاری اور پاکستان

بیروزگاری میں بھی پاکستان کا گراف بہت نیچے جا رہا ہے۔ غیر سرکاری اعداد و شمار کے مطابق اِس وقت ہمارے ملک میں بیروزگاری 15.4 فیصد ہے۔ اس حوالے سے چند دوسرے قریبی ممالک کے ساتھ تقابلی جائزہ لیں تو پاکستان کی معاشی ابتری کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ مثلاً بنگلہ دیش میں بیروزگاری 5.1 فیصد ہے۔ ہماری بیروزگاری کا گراف بنگلہ دیش سے بھی تین فیصد بڑھ چکا ہے۔ سارک کے چھوٹے سے رکن ملک بھوٹان میں بیروزگاری 4 فیصد ہے۔ سری لنکا میں بیروزگاری 4 فیصد، نیپال میں 4.6 فیصد، منگولیا میں 5.6 فیصد، ملائیشیا میں 4.1 فیصد اور قازقستان میں 5 فیصد ہے۔ افریقی ملک گھانا میں 11 فیصد، تنزانیہ میں 6.8 فیصد اور نائیجیریا میں 21 فیصد بیروزگاری ہے۔ اِس تقابلی جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ پاکستان بیروزگاری میں چھوٹے ترقی پذیر ممالک سے بھی آگے ہے۔ وجہ کیا ہے؟ اس ملک میں بے تحاشا عیاشی ہے، یہاں عیاشیوں پر خرچ ہوتا ہے اور کوئی موٴاخذہ و محاسبہ کرنے والا نہیں۔

(۱۱) پاکستان کا تعلیمی بجٹ

آج 2011ء-2012ء میں تعلیم پر ہمارا کل خرچ GDP کا صرف 2.7 فیصد

ہے، جب کہ بہت سے ترقی پذیر ممالک میں یہ شرح 3 سے 4 فیصد تک ہے۔ سرکاری اَعداد و شمار کے جادوگر شرحِ خواندگی کو 54 فیصد تک بتاتے ہیں مگر پاکستان کے طول و عرض میں سفر کرنے والے اَفراد زمینی حقائق سے بخوبی واقف ہیں۔ سنگاپور میں شرحِ خواندگی 93 فیصد، جاپان میں 100 فیصد اور سری لنکا میں 91 فیصد تک ہے۔عوام کو تعلیم اور شعور سے دور رکھنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ کہیں یہ اِس نظام کے خلاف علمِ بغاوت بلند نہ کر دیں جو صرف اور صرف کرپٹ لوگوں، وڈیروں، جاہلوں اور بدمعاشوں کو سپورٹ کرتا اور تحفظ فراہم کرتا ہے۔

اس کے برعکس ہمارے پڑوس میں نیپال اور بھوٹان کا تعلیمی بجٹ ہم سے 2 گنا زیادہ ہے، مالدیپ کا تقریباً 5 گنا زیادہ ہے، منگولیا کا دو اڑھائی گنا زیادہ ہے۔ کینیا کا 3 گنا زیادہ ہے۔گھانا کا تین چار گنا زیادہ ہے۔ ایتھوپیا اور حبشہ کا دو گنا زیادہ ہے۔ افریقہ کے تیسری دنیا کے ممالک اپنی تعلیم پر پاکستان سے تین گنا زیادہ خرچ کر رہے ہیں۔ ہم نے اس تقابلی جائزے میں ایران اور کئی دیگر ممالک شامل نہیں کئے جن کا تعلیمی بجٹ بہت زیادہ ہے بلکہ اس سلسلے میں سارک اور افریقہ کے چند غریب ممالک کو لیا ہے۔ جب ہم اپنی تعلیم پر نہیں خرچ کرنا چاہتے تو جمہوریت کہاں سے آئے گی؟ کیسی عجیب منطق ہے کہ عوام کو جاہل رکھ کر ہم جمہوریت کے خواب دیکھتے ہیں!

(۱۲) قومی بجٹ اور صحت

صحت پر ہمارا خرچ GNP کا صرف 0.84 فیصد اور GDP کا 2.6 فیصد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ صحت سے محروم ہیں اور مر رہے ہیں۔ پندرہ سال سے یہی بجٹ چلا آ رہا ہے؛ جبکہ بنگلہ دیش کا health budget ہم سے زیادہ یعنی 4.3 فیصد ہے، نیپال کا 6 فیصد، بھوٹان کا 5.5 فیصد، سری لنکا کا 4 فیصد، مالدیپ کا 5.6 فیصد، منگولیا کا 9 فیصد، قازقستان کا 4 فیصد، کیوبا 12 فیصد، کینیا کا 12 فیصد، گھانا کا 10.6 فیصد، اتھوپیا اور حبشہ کا 3.6 فیصد ہے۔ آپ اندازہ کر لیں کہ افریقہ کے ہر پسماندہ ملک کا تعلیم اور صحت

پر خرچ ہم سے زیادہ ہے۔ ملک کو ترقی دینے پر ہر خرچ زیادہ ہے۔ ہمارے خرچے کہاں جاتے ہیں؟ ہمارے خرچ عیاشیوں، کرپشن اور اثاثہ جات بڑھانے پر جاتے ہیں۔

ورلڈ بینک کی رپورٹ کے مطابق ایک سال کے بچوں کی شرح اَموات 82 فی ہزار ہے جبکہ یہ شرح سری لنکا میں 16 فی ہزار، چین میں 30 فی ہزار اور ملائشیا میں صرف 8 فی ہزار ہے۔

رپورٹ کے مطابق پاکستان میں 5 لاکھ افراد ہیروئن کا نشہ کرتے ہیں اور ملک کا مستقبل اور ہماری امیدوں کے چراغ، ہمارے 38 فیصد بچے کم وزن (under weight) ہوتے ہیں جن کے ہاتھوں میں ہم نے اُمت مسلمہ کے قلعہ پاکستان کی باگ دوڑ تھمانی ہے۔ جبکہ سری لنکا میں 21 فیصد، بھوٹان میں 12 فیصد، چین میں 9 فیصد، کینیا میں 17 فیصد اور زمبابوے میں 14 فیصد بچے کم وزن (under weight) ہوتے ہیں۔

(۱۳) غربت

ورلڈ بینک کے مطابق جن افراد کی آمدنی سوا ڈالر یومیہ یعنی کم و بیش 125 روپے یومیہ سے کم ہو وہ غربت کی عالمی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ حالیہ سرکاری اَعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں غربت کا تناسب 58 فیصد ہے جبکہ سری لنکا میں یہ تناسب 9 فیصد، قازقستان میں 8 فیصد اور ملایئشیا میں صرف 4 فیصد ہے۔

سینٹ میں پیش کردہ 'قومی غذائی سروے' کے مطابق پاکستان کا شمار اِنتہائی بھوک کے شکار ممالک میں ہوتا ہے۔ رپورٹ کے مطابق پاکستان میں گزشتہ پانچ سالوں میں 'فوڈ باسکٹ' کی قیمت 1,000 روپے سے بڑھ کر 1,790 روپے ہوگئی ہے جو 79 فیصد اِضافہ ہے، جب کہ 29.6 فیصد اَفراد ایک وقت کے کھانے پر زندہ ہیں۔ ایک اور سرکاری رپورٹ کے مطابق 11 کروڑ لوگوں کو خوراک کے حوالے سے عدمِ تحفظ کا سامنا

ہے۔ 2009ء کے حکومتی اَعداد و شمار کے مطابق GDP کا 7.4 فیصد غربت کے خاتمے پر خرچ کیا جا رہا تھا جو 2012ء میں کم ہو کر صرف 6.9 فیصد رہ گیا ہے۔

(۱۴) لمحہ فکریہ!

اب آج کی موجودہ پارلیمنٹ سے پوچھیں کہ جس کے پانچ سال پورے ہونے کو ہیں، جس میں وفاقی اور صوبائی دونوں حکومتیں شامل ہیں، انہوں نے اس قوم کو کیا دیا ہے؟ سترہ کروڑ عوام کو بجلی نہیں مل رہی، پانی نہیں مل رہا، آٹا نہیں مل رہا، کھانا نہیں مل رہا، روزگار نہیں مل رہا، لوگوں کی عزت و ناموس اور جان و مال محفوظ نہیں، ہر وقت خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے۔ عوام کو اس کی قانون سازی (legislation) نے کیا دیا؟ اسمبلیوں میں ammendments اور قانونی موشگافیاں اپنے سیاسی مفاد کے تحفظ کے لیے، اپنی کرپشن کو محفوظ رکھنے کے لیے ہوتی ہیں۔ اسی لیے حکومتی پالیسیوں میں تسلسل نہیں ہے۔ ایک حکومت جاتی ہے تو اس سے منسوب تمام منصوبے اور ادارے اٹھا کر سمندر میں غرق کر دیے جاتے ہیں۔ پوری دنیا میں ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ سیاسی جماعت اور حکومت بدلنے سے ملک کی main ڈائریکشن ہی تبدیل ہو جائے۔ جمہوری ممالک میں سیاسی حکومت بدلتی ہے لیکن قومی سمت وہی رہتی ہے۔ اہم کلیدی عہدوں پر سیاسی مداخلت نہیں ہوتی، نہ تقرری میں اور نہ برطرفی میں۔ قومی سلامتی کے اہم منصوبے بدستور جاری رہتے ہیں مگر پاکستان میں قومی سطح کے کسی ادارے کی ایک بھی سیٹ ایسی نہیں ہے کہ حکومت بدلتے ہی جس کے سربراہ بدل نہ جاتے ہوں۔ حکومت بدلے گی تو PIA کی ساری اعلیٰ قیادت بدل جائے گی۔ یہی حال اسٹیل ملز، واپڈا، اسٹیٹ بینک اور ریلوے کا ہے، حتیٰ کہ فوجی اداروں کی اعلیٰ قیادت میں بھی اپنی مرضی سے ردّ و بدل کیا جائے گا۔ نئی حکومت آئے گی تو پھر سارے heads بدل جائیں گے اور اہم سیٹوں پر نئی تقرریاں ہوں گی، ماتحت بدل جائیں گے، سارے جاری منصوبے تعطل کا شکار ہو کر رہ جائیں گے۔ ہر پانچ سال کے بعد نیا پلان جاری ہوگا، جو کام تین چار سال کے دوران مکمل ہو رہا ہوتا ہے دوبارہ نئے سے

شروع ہو جاتا ہے۔ یوں ہر تین چار سال کے بعد ملک zero پہ کھڑا ہوتا ہے۔ کولہو کے بیل کی طرح قوم وہیں کی وہیں کھڑی رہتی ہے۔ کیا اس قوم نے کبھی محاسبہ کیا کہ سیاسی حکومتوں کو کیا حق ہے کہ وہ اپنی مرضی سے قومی اداروں اور قومی منصوبوں کو تاخت و تاراج اور برباد کریں؟

مثلاً یہ پیپلز پارٹی کی حکومت ہے؛ ہر جگہ ان کے leader آ جائیں گے، مسلم لیگ کے لگائے ہوئے سارے افراد برطرف ہو جائیں گے۔ نیچے تک نئی بھرتیاں ہو جائیں گی، پچھلے لوگ برطرف اور نوکریاں بھی ختم۔ پولیس میں اور تھانوں میں تقرریاں اپنی مرضی سے ہوتی ہیں، اوپر آئی جی، سیکرٹری، ڈی سی او حتی کہ عدلیہ تک میں تقرریاں کرنے میں مداخلت کرتے ہیں۔ اس طرح ان تمام اداروں کی آزادانہ اور غیر جانب درانہ حیثیت ختم ہو چکی ہے۔ غرضیکہ عدلیہ ہو یا انتظامیہ ہر جگہ ہر سطح پر اپنے لوگوں کو لائیں گے۔ پھر مسلم لیگ آ جائے گی یا دوسری کوئی اور جماعت آ جائے گی تو نئے سرے سے تمام قومی اداروں کے سارے سربراہ تبدیل ہو جائیں گے۔ ایسا تماشا مشرق سے مغرب تک ترقی اور جمہوریت کا نام لینے والے ملکوں میں کبھی نہیں ہوتا۔ وہاں قومی پالیسیاں برقرار رہتی ہیں۔ ان کے تاب ناک روشن مستقبل کے لیے سالانہ منصوبہ بندی ہوتی ہے۔ یہاں وہ بھی نہیں ہے۔ ہر سیاسی جماعت کے ہاں ایک پانچ سالہ منصوبہ بندی ہوتی ہے تاکہ الیکشن کے ذریعے جب وہ پانچ سال کے لیے اقتدار میں آئے تو پانچ سال میں یہ deliver کریں گے۔ لیکن یہاں نہ کوئی deliver کرنے والا ہے، نہ اس پر مؤاخذہ کرنے والا ہے اور نہ کوئی پوچھنے والا ہے۔ جب کبھی قوم کے اندر پوچھنے کا شعور بیدار ہوتا ہے تو اُن کی توجہ دوسری طرف مبذول کرنے کے لیے بم بلاسٹ کرا دیے جاتے ہیں۔ قتل و غارت گری کے دس پندرہ واقعات کرا دیے جاتے ہیں تاکہ میڈیا اور قوم کی ساری توجہ اس طرف لگ جائے۔ حقیقتاً ہمارا پورا نام نہاد جمہوری نظام ایک black mailing کا نظام ہے۔ یہ ایک گھناؤنا کھیل ہے جو سیاسی قیادت تسلسل کے ساتھ پاکستان کے سترہ کروڑ عوام کے

ساتھ کھیلتی رہی ہے تاکہ اصل issues پر توجہ نہ رہے۔ اسی طرح جب وہ رو پیٹ کر گھروں سے باہر احتجاج کے لیے نکلتے ہیں تو تھوڑی دیر کے لیے اُن کو بجلی میں سہولت دے دی جاتی ہے تاکہ اُن کا غیض وغضب ٹھنڈا ہو اور وہ گھر چلے جائیں۔ چار پانچ دن کے بعد پھر وہی حالات اور وہی معاملات۔

۳۔ قوم دشمن نظام کے اَجزاے ترکیبی

جب قوم کا شعور گر جائے اور اس کی صحیح رہنمائی نہ کی جا رہی ہو اور قوم بے شعوری، بے خبری اور بے آ گاہی کی وجہ سے اپنی ذاتی مشکلات اور مسائل میں اتنی الجھی ہوئی ہو کہ اس کی قومی سوچ ہی ختم ہو جائے تو ان حالات میں قوم کے اندر تبدیلی کی آرزو کلیتًا معدوم ہو جاتی ہے۔ یہ کسی قوم کی غلامی کی علامتیں ہوتی ہیں۔آپ نے کبھی سوچا کہ قومیں طویل مدت یعنی صدیوں تک غلامی میں کیوں مبتلا رہتی ہیں؟ اس لیے کہ غلام کی پہچان ہی یہ ہوتی ہے کہ اس میں تبدیلی کی آرزو ہی نہیں رہتی۔ وہ مستقبل کو روشن کرنے کی آرزو ہی نہیں رکھتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ اُس کا حق ہے نہ اُس کے نصیب میں ہے۔ روشن مستقبل کو وہ اپنا حق ہی نہیں سمجھتا۔ وہ صرف اُس وقت چیختا ہے جب اسے روٹی نہیں ملتی یا جب بجلی نہیں ملتی تو تب باہر نکلتا ہے۔ لوڈ شیڈنگ کا دورانیہ جب بیس بیس گھنٹے تک پہنچ جاتا ہے تو عوم باہر نکلتے ہیں اور سڑکوں پر ٹائر جلاتے ہیں۔ اسی طرح پٹرول، ڈیزل اور گیس کے مہنگے ہونے پرعوام باہر نکلتے ہیں، سینہ کوبی کرتے ہیں، ٹائر جلاتے ہیں اور جب حکمران پٹرول، ڈیزل، گیس کو آٹھ نو روپے مہنگا کرنے کے بعد پھر ایک روپیہ کم کر دیتے ہیں تو وہ حکمرانوں سے مطمئن اور خوش ہو کر واپس گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ فراعینِ وقت کو علم ہوتا ہے کہ غلام لوگوں کی یہی نفسیات ہوتی ہے کہ ان پر ظلم وستم جاری رکھا جائے اور جب بہت چیخیں تو تھوڑی سی تخفیف کر دو تو خوش ہو جائیں گے کہ چلو کچھ تو مل گیا۔ یہی غلامانہ ذہنیت ہے۔ کیا یہ سلسلہ پاکستان میں جاری نہیں؟

یہاں کتنے قتل ہو رہے ہیں، اِنسانی جانیں تلف ہو رہی ہیں، قوم کبھی سڑکوں پہ اجتماعی طور پر نہیں نکلی تاکہ اس نظام کو چیلنج کریں کہ جان و مال کے محافظ کہاں مر گئے۔ اس ملک میں کتنی قتل و غارت گری ہو رہی ہے، عزتیں لٹ رہی ہیں، تیزاب پھینکے جا رہے ہیں، بیٹیاں اٹھائی جا رہی ہیں، خود کشیاں ہو رہی ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ قوم کبھی باہر نہیں نکلی۔ اس لیے کہ قوم بے حس ہو چکی ہے۔ محلے میں دائیں بائیں قتل ہو جاتے ہیں لیکن کسی کی آنکھ نہیں بھیگتی، آنسو نہیں گرتا۔ جب اس کی اپنی جان پر بنتی ہے اس کی اپنی گاڑی میں پٹرول نہیں ڈلتا، چولہا نہیں جلتا، گھر میں بجلی نہیں آتی یعنی ذاتی زندگی جب مشکل میں پڑتی ہے، روزگار بند ہو جاتا ہے، فیکٹری بند ہوتی ہے، نوکری سے نکالے جاتے ہیں؛ تب وہ چیختا ہوا باہر نکلتا ہے یا اس کے ساتھ چند باقی لوگ جو خود مضروب و مجروح اور مظلوم ہوئے؛ انفرادی طور پر چیختے ہوئے باہر نکلتے ہیں لیکن قوم مجموعی طور پر ٹس سے مس نہیں ہوتی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قوم کا وہ دشمن کون ہے جس نے دائماً اِنہیں پچھلے 65 برس سے تبدیلی اور خوش حالی سے دور رکھا ہوا ہے۔ ہم ملک کے سترہ کروڑ عوام کو اس دشمن کی شناخت کروانا چاہتے ہیں جس نے ان کو باعزت زندہ رہنے کے حق سے محروم کر رکھا ہے حتی کہ اس قوم کو اپنی شناخت سے بھی محروم کر دیا ہے۔ وہ دشمن کون ہے؟ آج ہمیں اسی دشمن کی پہچان کرنا مقصود ہے تاکہ قوم کے بیٹے بیٹیاں، قوم کی آئندہ نسلیں اپنے مستقبل کو سنوارنے اور محفوظ رکھنے کے لیے صحیح سمت پر جد و جہد کر سکیں اور اس کے خلاف ایک پُراَمن جنگ لڑنے کے لیے صف آرا ہو سکیں۔ بعض لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ پیپلز پارٹی تمہاری دشمن ہے، کوئی کہہ دیتا ہے کہ مسلم لیگ (ن) تمہاری دشمن ہے، اسی طرح بعض دوسری سیاسی پارٹیوں کا نام لے دیتے ہیں جس سے سیاسی گروہ یا جماعتیں ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی شروع کر دیتی ہیں اور عوام اس جنگ میں شریک ہو جاتے ہیں۔ میں categorically بتا دینا چاہتا ہوں کہ پیپلز پارٹی ہو یا مسلم لیگ (ن)، مسلم

لیگ (ق) ہو یا ایم کیو ایم، اے این پی ہو یا کوئی مذہبی جماعت یا بلوچستان اور دیگر صوبوں کی مقامی جماعتیں، یہ سب آپ کی حقیقی دشمن نہیں ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ان میں سے کوئی جماعت یا قیادت بھی عوام کی حقیقی دشمن نہیں تو دشمن کون ہے؟ وہ کون ہے جس نے اِس قوم کو کچل رکھا ہے؟ اِس قوم کو محرومی کی آگ میں جھونک رکھا ہے؟ کس نے اِس قوم کو تباہی اور ہلاکت کی راہ پر گامزن کر رکھا ہے؟ کس نے اِس قوم کو اس کے تمام بنیادی حقوق سے محروم کر رکھا ہے؟ کس نے اِس قوم کو خودکشیوں کی راہ پر ڈالا ہے؟ اُسی دشمن کی شناخت کروانے کے لیے ہم نے بیداریِ شعور کی تحریک شروع کی ہے۔

یاد رکھیں! آپ کا دشمن یہ کرپٹ اور اِجارہ دارانہ نظامِ سیاست و اِنتخابات ہے؛ وہ نظامِ سیاست جو گزشتہ ساڑھے چھ دہائیوں سے مخصوص لوگوں کو اس ملک میں پال رہا ہے، مخصوص اجارہ داریوں کے نیچے جس کی پرورش ہو رہی ہے، جس نے اس قوم کے ننانوے فیصد عوام کو حقیقی جمہوریت سے محروم کر رکھا ہے اور جس نے ایک فی صد سے بھی کم پر مشتمل مخصوص طبقے کو حکومت کا پیدائشی اور موروثی حق دے رکھا ہے۔ مستقبل قریب میں پھر انتخابات کا اِمکان ہے اور اس کی تیاریاں بھی شروع ہوگئی ہیں۔ یہی وہ کرپٹ اِجارہ دارانہ نظامِ انتخابات (monopolistic electoral system) ہے جس کے اردگرد ملک کی پوری سیاست گھومتی ہے اور جس monopolistic electoral system کے نتیجے میں اس ملک میں ایک جعلی جمہوریت جنم لیتی ہے۔ موجودہ پاکستانی سیاست اِس فرسودہ اِجارہ دارانہ نظامِ اِنتخابات کے گرد گھومتی ہے اور اس نام نہاد monopolistic electoral system کے نتیجے میں جو حکومتیں وجود میں آتی ہیں بدقسمتی سے ان حکومتوں کا نام جمہوری حکومت (democratic government) رکھ دیا جاتا ہے۔ یہ سیاست میں بھی دھوکا ہے اور اس نام نہاد جمہوریت میں بھی دھوکہ ہے۔

(ا) نظامِ سیاست اور دجالی پنجۂ اِستبداد

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نظام کا حصّہ بن کر ہی نظام کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس نظام میں شریک ہوئے بغیر نظام کیسے بدلا جاسکتا ہے؟ نظام میں ہوں گے تو بدلیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے پندرہ سال اس نظام میں رہ کر تمام ممکنہ کاوشیں کرکے دیکھ لیں۔ 1989ء سے لے کر 2004ء تک پندرہ سال تک ہم نے یہ عمل کر لیا ہے جو کچھ لوگ اب کرنے کے لیے نکلے ہیں؛ جب کہ کئی 60 سال سے اسی نظام میں رہ کر نظام کو بدلنے کے لیے کوشش کر رہے ہیں۔ مگر یاد رکھیں اس نظام کا حصہ بننے والے کبھی نظام کو بدل نہیں سکتے۔ نظام بہت بڑی طاقت ہے، یہ ایک اژدھا ہے۔ جو کوئی اس ملک کے موجودہ نظام کا حصہ بنے گا یہ نظام اُسے پیس کر رکھ دے گا، ایسے جیسے چکی میں گندم کے دانے پس جاتے ہیں یا چنے پس جاتے ہیں۔ اس نظام کا حصہ بن کے کبھی تبدیلی نہیں آ سکتی، اگر تبدیلی آ سکتی ہے تو اس نظام کے ساتھ ٹکرانے سے آئے گی۔ کسی کو اگر تبدیلی لانے کا شوق ہے تو وہ اس نظام سے ٹکرائے۔ اس نظام میں داخل ہو کر اس کو بدلنے کی آرزو کرنے والے میرے کلمات لکھ لیں کہ بس ایک الیکشن کے بعد ہی ان کو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نظر آ جائے گا اور سمجھ آ جائے گی کہ نظام کیسے بدلتا ہے۔ کیونکہ اس نظام میں داخل ہو کر اس کو بدلنے کا کوئی راستہ ہی نہیں بچتا، آپ گورنمنٹ میں جائیں گے یا اپوزیشن میں رہیں گے۔ اپوزیشن بھی اسی نظام کا حصہ ہوتی ہے، اس کا ایک اپنا ایجنڈا ہوتا ہے، وہاں آپ الگ رہ نہیں سکتے۔ چونکہ اکثریتی گروپ کا ایک نمائندہ قائد حزبِ اِختلاف بن جاتا ہے، صرف وہی اپوزیشن کی نمائندگی کرتا ہے۔ اور اگر آپ تنہا اپنا ایک چھوٹا سا گروپ لے کر چلنا چاہیں تو چلتے رہیں؛ سوائے status quo کو اپنانے کے کوئی دوسری راہ نہیں بچتی۔ چنانچہ اس سسٹم کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکنے کی ضرورت ہے۔

(۲) سیاسی اِجارہ داریاں

مزید وضاحت کے لیے عرض کرتا چلوں کہ اِس نظام کو اِجارہ دارانہ کہنے اور کرپٹ قرار دینے کے واضح ثبوت موجود ہیں۔ ان دلائل میں سے بعض کا تعلق تاریخی شواہد کے ساتھ ہے اور بعض کا عملی کارکردگی کے ساتھ۔ 1934ء کے زمانے کا مطالعہ کریں کہ جب سندھ بمبئی کا حصہ تھا تو جو لوگ اس بمبئی کی حکومت کے وزیر تھے، سندھ کی سیاست اُس دن سے لے کر آج تک کم و بیش اسی ڈگر پر چل رہی ہے۔ پارلیمنٹ کا بہت بڑا حصہ آج تک انہی کے ہاتھ میں ہے۔ یہی حال بہاول پور، بلوچستان اور بیشتر دیگر حلقہ جات کا ہے۔ میں کسی شخص کا نام نہیں لوں گا، یہ میرا منصب نہیں اور نہ میرا مقصود ہے۔ میں تو صرف نظریاتی واضحیت (conceptual clarity) دینا چاہتا ہوں اور قوم تک ایک پیغام پہنچانا چاہتا ہوں۔ لوگ پہلے سے ان اجارہ دار خاندانوں اور سیاست دانوں کو جانتے ہیں، بہاول پور میں جو لوگ 1906ء میں وزیر اعلیٰ تھے اُنہی کے خاندان کے پاس آج تک سیاست و اِنتخابات کی اجارہ داری ہے۔ تاجِ برطانیہ کے دور میں ملتان اور ڈیرہ غازی خان میں جو بڑے بڑے خانوادے آج سے سو ڈیڑھ سو سال پہلے مسندِ اقتدار پر فائز تھے، جن کے پاس 1930ء کے اقتدار کی مسند تھی، آپ کو اُنہی شخصیتوں کی نسلیں اقتدار پر بیٹھی نظر آئیں گی۔ یعنی اِقتدار نسل در نسل اُنہی کو منتقل ہوتا نظر آئے گا۔ اس دوران میں الیکشن ہوتے رہے، حکومتیں بدلتی رہیں، جمہوریت کے نام پر اَدوار بھی بدلتے رہے، کبھی فوجی آمریتیں آئیں اور کبھی سیاسی آمریتیں، مگر اسمبلیاں اور اقتدار ان خانوادوں سے باہر کبھی نہیں گیا اور گیا تو بہت شاذ گیا۔

اس کے بعد جب شہر آباد ہوگئے تو شہروں کی contribution بھی politics میں شروع ہوگئی۔ چنانچہ بڑے بڑے سرمایہ دار اور تاجر سیاست اور اقتدار میں جاگیرداروں کے شیئر ہولڈرز بن گئے۔ وہ لاہور ہو یا فیصل آباد، سرگودھا ہو یا گوجرانوالہ، سیال کوٹ ہو یا راول پنڈی، کوئٹہ ہو یا حیدر آباد یا پشاور اور کراچی جہاں چلے جائیں آپ

کو بیس بیس حلقوں تک مخصوص لوگ ہی براجمان نظر آئیں گے، دیہی علاقوں میں جاگیردار ہیں اور شہری علاقوں میں سرمایہ دار۔

اس نظام انتخاب کو قائم رکھنے میں الیکشن کمیشن بھی بڑا اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ وہ تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے حقیقتِ حال سے لاتعلق ہو کر بیٹھا ہوا ہے۔ آج قومی اسمبلی کا الیکشن دس سے بیس کروڑ روپے سے کم سرمائے سے نہیں لڑا جا سکتا جبکہ اس ملک کے نام نہاد الیکشن کمیشن نے 15 لاکھ کی حد مقرر کی ہوئی ہے۔ الیکشن کمیشن اس معاملے میں پچھلے چالیس سال سے نابینا چلا آ رہا ہے۔ تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں، انتخاب میں تین لاکھ روپے تک خرچ کرنے کی حد ہوتی تھی جب کہ تین کروڑ روپے خرچ ہوتے تھے؛ کبھی کوئی شخص نااَہل نہیں ہوا۔ پانچ لاکھ کی حد ہوتی تھی تو پانچ کروڑ خرچ ہوتے تھے۔ آج اگر 15 لاکھ کی حد ہے تو دس سے بیس کروڑ خرچ ہوتے ہیں، سب دنیا جانتی ہے مگر کون disqualify ہوتا ہے؟ یہی لوگ براجمان ہیں اور پندرہ پندرہ، بیس بیس سیٹیں ایک جیسے طبقے کے ہاتھ میں نظر آتی ہیں۔ اس کے بعد جا کر کوئی ایک آدھ ایسا سیاسی کارکن نظر آتا ہے جو بنیادی طور پر اس طبقے میں سے تو نہیں تھا مگر ایک کارکن اور حلقے میں کام کرنے کے ناطے اس نے اپنی political stability کو develop کر لیا اور حکومتی عہدوں کے ذریعے معاشی طور پر مستحکم ہوتا گیا اور رفتہ رفتہ وہ وہاں کا نمائندہ ہوگیا۔ پورے ملک میں کئی درجن سیٹوں کے بعد آپ کو ایک دو لوگ ایسے دکھائی دیں گے جو کارکن سے لیڈر بنے ہیں۔ نتیجتاً شہر سرمایہ داروں اور مال داروں کے ہاتھ میں آ گئے اور دیہات جاگیرداروں کے پاس چلے گئے۔

(۳) Status quo کے مختلف مہرے

ایک طرف جاگیردار اور وڈیرے ہیں، ایک طرف سرمایہ دار و مال دار ہیں اور ایک طرف اسٹیبلشمنٹ۔ یہ تین طبقات اس ملک میں status quo کے مہرے ہیں اور نظام انہی کے دامِ فریب میں پھنسا ہوا ہے۔ پھر اسٹیبلشمنٹ میں اندرونی اور بیرونی

اسٹیبلشمنٹ بھی داخل ہوتی ہے۔ ہماری خارجہ پالیسی ملکی ضرورت کے مطابق نہیں بلکہ بیرونی آقاؤں کے اشاروں پر زیادہ عمل پیرا رہتی ہے۔

میرا پوری قوم سے سوال ہے کہ جو انتخاب پندرہ سے بیس کروڑ روپے کے سرمائے سے ایک سیٹ کے لیے لڑا جائے، وہ اس ملک میں کیسے change لائے گا؟ ایسے اراکینِ اسمبلی کیسی تبدیلی کے علم بردار ہوں گے؟ کیا انہیں ذاتی مفادات سے ہٹ کر قومی اور عوامی مفادات کے متعلق سوچنے اور ان کی حالت میں بہتری لانے کی فکر ہوگی؟ ہرگز نہیں! وہ status quo کی پیداوار ہیں اور ہمیشہ status quo کی حفاظت کریں گے، اگرچہ نعرہ تبدیلی کا لگائیں گے تاکہ عوام انہیں انقلابی سمجھتے ہوئے ان پر بھروسہ رکھیں۔ مروّجہ نظامِ سیاست میں executive اور سیاست دانوں کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ملک میں ساری ناانصافیوں، کرپشن، اقربا پروریوں کا ماحول ان کے اس joint venture کے باعث وقوع پذیر ہوتا ہے۔

(۴) مختلف نعروں کی سیاست

یہاں وہی سیاستدان کامیاب ترین ہے جو جھوٹ بولنے میں ماہر ہے۔ ساری سیاست جھوٹے نعروں پر کی جاتی ہے۔ ان نعروں میں اسلام، جمہوریت، غریب عوام اور ملک میں تبدیلی جیسے موضوعات اہم ہیں مثلاً بعض مذہبی سیاسی جماعتوں نے اسلام کا نعرہ صرف مسند اقتدار اور ایوانِ اقتدار تک پہنچنے کے لیے ایک آلہ بنا رکھا ہے۔ اسی طرح سیاسی جماعتوں کی طرف سے غریب عوام کے نعرے بھی لگے، مگر غریب عوام کے کندھے صرف مسند اقتدار پر پہنچنے کے لے تھے۔ غریب عوام کی اقتدار کے اندر کوئی participation اور شراکت نہ تھی۔ اِسی طرح جمہوریت کے نعرے بھی لگتے ہیں۔ یہاں جمہوریت بھی ایک سلوگن ہے۔ محض ایک دھوکہ ہے مسندِ اقتدار اور پارلیمنٹ میں پہنچنے کے لیے! اور پھر پانچ سال تک وہ جمہوریت عوام میں سے کسی غریب کا حال پوچھنے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ یہاں احتساب کا نعرہ بھی لگتا ہے۔ غرضیکہ جس کو جو نعرہ suit

کرتا ہے وہ لگاتا ہے۔ جب فوجی آمریت آتی ہے تو وہ احتساب اور good governance کے نعرے لگا کر اس ملک کے اقتدار پر قبضہ کرتی ہے اور جب سیاسی آمریت آتی ہے تو وہ عوام اور جمہوریت کا نعرہ لگا کر ملکی اقتدار پر قبضہ کرتے ہیں، مگر جہاں تک عوام کی حقیقی زندگیوں میں تبدیلی کا تعلق ہے تو دونوں اَدوار میں نتیجہ ایک ہی رہتا ہے۔

فوجی آمریت میں ایوب خان اور یحیٰی کا دور دیکھ لیں، جنرل ضیاء الحق کا دور دیکھ لیں، جنرل پرویز مشرف کا دور دیکھ لیں؛ احتساب کے نام پر بھی آئے، اسلام کے نام پر بھی آئے اور good governance کے نام پر بھی آئے، devolution of powers کے نام پر بھی آئے اور بالآخر democracy کے نام پر بھی آئے لیکن یہ سب یکے بعد دیگرے دھوکے دے کر چلتے بنے۔ فوجی آمریت کے دور میں بھی اس ملک کے کروڑوں عوام میں سے مخصوص لوگوں کے علاوہ کسی ایک شخص کی زندگی میں تبدیلی نہیں آئی۔ کسی کو محرومیوں کے اندھیروں سے نکالنے کا اہتمام نہیں کیا گیا۔

پھر سیاسی دور میں جمہوریت کے نام پر نمائندہ پارلیمنٹ create کی گئی اور اب جب یہ نمائندگانِ قوم پارلیمنٹ میں آ گئے تو اب آپ اپنا حال دیکھ لیں! لوگ قتل ہو رہے ہیں، ملک کی سالمیت اور خود مختاری گروی رکھ دی گئی ہے، پاکستان کو بیرونی طاقتوں کی کالونی بنا دیا گیا ہے، پاکستان نہ اپنے داخلی اُمور کا فیصلہ کرنے میں آزاد ہے اور نہ اپنی خارجہ پالیسی میں آزاد ہے، نہ اپنے دفاعی فیصلے لینے میں آزاد ہے اور نہ ملکی دہشت گردی کے خاتمے کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے میں آزاد۔ حتی کہ اسمبلیاں rubber stamp بن چکی ہیں۔

(۵) حقِ نمائندگی یا کاروبار؟

نام نہاد انتخابات کے نام پر لوگ منتخب ہو کر آتے ہیں۔ لہٰذا وہ کہتے ہیں ہمیں

عوام نے منتخب کیا ہے اور وہی ہماری طاقت کا سرچشمہ ہیں حالانکہ اس ملک میں جمہوریت کی غرض و غایت اور جمہوریت کا تعلق عوام سے صرف اتنا ہے کہ انہیں ہر پانچ سال کے بعد اقتدار کے ان وارثوں کو منتخب کرنے کا حق دیا جاتا ہے۔ یہ ہے عوام کی طاقت!

پانچ سال کے بعد دوبارہ ایک میلہ لگتا ہے، کروڑوں روپے خرچ کرنے والے پھر وہی خانوادے، کبھی ان کے بیٹے، کبھی بیٹیاں، کبھی بھتیجیاں اور کبھی بھانجے بھانجیاں یعنی تھوڑے سے plus، minus کے فرق کے ساتھ یہی لوگ involve ہوتے ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ جو کروڑوں لگا کے اسمبلی میں آئے گا وہ عوام کا پیٹ بھرے گا یا اپنا پیٹ بھرے گا؟ وہ پہلا خرچہ برابر کرنے کے بعد اگلے الیکشن کے لیے کروڑوں کیوں نہیں بنائے گا؟ کیونکہ اس نے اپنی ساکھ رکھنے کے لیے لوگوں کو آٹے کے تھیلے بھی دینے ہیں۔ اس نے سڑکیں بھی بنانی ہیں، کھمبے بھی لگانے ہیں، نالیاں بھی بنوانی ہیں، لوگوں کے گھر اناج بھی بھیجنا ہیں اور سب سے بڑھ کر کرپشن بھی کرنی ہے تاکہ اپنی اولادوں اور نسلوں کا مالی تحفظ بھی ہو جائے۔ کیا خبر کل ملک کی حالت کیا ہو، بیرونِ ملک اکاؤنٹ بھی کھلوانے ہیں اور جائیدادیں بھی بنانی ہیں۔ وہ پورے ملک کو لوٹے گا نہیں تو اور کیا کرے گا؟

کئی سال پرانی بات ہے (اب اُس دور کے مقابلے میں اَخراجات میں سیکڑوں گنا فرق آ چکا ہے) کہ اُس وقت کسی شخص نے براہِ راست مجھ سے کہا تھا کہ وہ اُس وقت تک اپنی پارٹی کے الیکشن پر دو ارب روپے سے زائد خرچ کر چکا ہے جو کہ آج کے حساب سے کھرب ہوگا۔ اس کا کہنا تھا کہ میں نے invest کی گئی یہ رقم واپس بھی لینی ہے اور پھر آئندہ انتخابات کا وقت آنے تک کئی گنا اخراجات بڑھ چکے ہوں گے۔ میں نے اُس کے لیے بھی سرمایہ جمع کرنا ہے۔ اب آپ مجھے بتائیے کہ ایک شخص جب کروڑوں روپے لگا کر پارلیمنٹ میں پہنچے گا تو کیا وہ آپ کا نمائندہ ہوگا؟ وہ ملک کے محنت کشوں کا نمائندہ ہوگا؟ وہ طلبا کا نمائندہ ہوگا؟ وہ غریب عوام کا نمائندہ ہوگا؟ وہ کسانوں کا نمائندہ ہوگا؟ وہ

تاجروں کا نمائندہ ہوگا؟ حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف اپنے مفادات اور اپنی ذاتی ترجیحات کا ہی نمائندہ ہوگا۔

(٦) انتخابی ڈرامہ عوام کا سب سے بڑا دشمن ہے

یہ الیکشن جس میں ایک ایک اُمیدوار کروڑوں روپے کی سرمایہ کاری (investment) کرنے کے بعد اسمبلی میں پہنچتا ہے وہ الیکشن ہی پاکستان کے سترہ کروڑ عوام کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ یہ کبھی عوام کے دکھ اور مصائب حل کرنے میں کسی قسم کا relief دینے میں کام یاب نہیں ہوسکا۔ پہلے پہل تو ظاہر داری کرتے ہوئے جماعتیں اپنا منشور عوام کے سامنے پیش کر دیتی تھیں لیکن اب تو جماعتوں کا منشور بھی ختم ہو چکا ہے۔ پبلک نے دھوکے کھا کھا کر اس روِش کو بھی قبول کر لیا ہے۔ اب نہ کوئی منشور چھاپتا ہے اور نہ کوئی منشور پوچھتا ہے۔ اکثر اوقات یک نکاتی منشور چل پڑتا ہے۔ بس ایک کہہ دے گا کہ کرپشن کا خاتمہ میرا منشور ہے، بس کسی کو اس کے علاوہ کوئی منشور پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک شخص کہہ دے گا کہ فلاں ملک دشمن جماعت ہے اور وہ نظریۂ پاکستان بحال کرے گا، قائداعظم کی فکر دے گا، اُس کا پاکستان واپس دلائے گا۔ ایک نے کہا کہ جمہوریت دوں گا۔ کچھ نے کہہ دیا ہم اسلام لائیں گے۔ کوئی کہہ دے گا کہ لٹیروں کی لوٹ کھسوٹ کو ختم کریں گے۔ یہ جملے آپ غور سے سنیں، یہ سب یک لفظی منشور ہیں۔ قوم کو کچھ پتہ نہیں کہ یہ کس طرح ہوگا؟ اُس کی خارجہ پالیسی کیا ہوگی؟ اُس کی داخلہ پالیسی کیا ہوگی؟ اِس ملک کو کیسے خسارے سے نکالا جائے گا؟ امپورٹ اور ایکسپورٹ میں کیسے بہتری ہوگی؟ کتنا روزگار مہیا کیا جائے گا؟ ایجوکیشن پہ کتنا خرچ کرے گا؟ ہیلتھ پر کیا خرچ ہوگا؟ Infrastructure پر کیا خرچ ہوگا؟ Regional relations کیا ہوں گے؟ بین الاقوامی پالیسی کیا ہوگی؟ کچھ معلوم نہیں اور نہ ہی کوئی پوچھنے والا ہے۔ کسی حقیقی منشور کی اس نظامِ انتخاب میں ضرورت نہیں رہی کیونکہ اب انتخابی جنگ جماعتوں سے ہٹ کر

دھڑوں کے درمیان شروع ہوگئی ہے۔

موجودہ سیاسی لیڈر اس نظام انتخابات کے ماہر اور شاطر کھلاڑی ہیں، وہ کبھی نہیں ہارے۔ ہمیشہ الیکشن کا میچ جیتتے ہیں۔ مگر یاد رکھ لیں! اس الیکشن کا یہ میچ صرف اَشرافیہ کے لئے ہے، عوام مکمل طور پر گراونڈ سے باہر ہیں۔ عوام کے پاس نہ بیٹنگ ہے، نہ باؤلنگ اور نہ ہی فیلڈنگ۔ عوام تو گراؤنڈ سے باہر بیٹھے ہوئے ہیں۔ پانچ سال کے بعد جب چھکا لگتا ہے تو بال اٹھا کر واپس اُنہی کی طرف پھینک دیتے ہیں اور وہ صرف پانچ سال لاتعلق ہوکر اس گیم کو enjoy کرتے ہیں۔ عوام کا بس اتنا کام ہے! یہ اس لئے کہ عوام کو جمہوریت کی حقیقت اور اصل مقاصد ہی معلوم نہیں۔ حقیقی جمہوریت کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس ملک میں فوجی حکومتیں بھی ناکام رہیں اور جمہوری حکومتیں بھی، جس کے باعث لوگوں کا اس جمہوری اور سیاسی نظامِ عمل پر اِعتماد ختم ہوچکا ہے۔ ساٹھ فیصد سے زائد لوگ ووٹ نہیں ڈالتے۔ پینتیس سے چالیس فیصد لوگ ووٹ ڈالتے ہیں اور وہ ووٹ بھی کرپشن اور ایک منظّم مہم سے ڈلوائے جاتے ہیں۔ سپریم کورٹ کے فیصلہ کے مطابق 3.75 کروڑ سے زائد ووٹ تو تھے ہی جعلی، مزید برآں اگر عوام پر دباؤ نہ ہو، گاڑیاں مہیا نہ کی جائیں، ایک میلہ نہ لگے، خاندان اور برادریاں ناجائز اثر و رسوخ استعمال نہ کریں، یہ سارے دباؤ نہ ہوں اور سارے غیر جمہوری اِقدامات نہ کئے جائیں تو مینڈیٹ کا شور کرنے والوں کو سمجھ آجائے، شاید دس یا بیس فی صد لوگ بھی ووٹ نہیں ڈالیں گے اور اَسّی فیصد لوگ اِس نظامِ انتخابات کو جمہوری طریقے سے مسترد کردیں گے۔

www.Nizambadlo.com - www.facebook.com/Tahirulqadri

۴۔ نام نہاد پاکستانی جمہوریت کا بدنما چہرہ

(ا) حقیقی جمہوریت اور اُس کے تقاضے

جمہوریت اُس نظام کو کہتے ہیں جس میں محکوم اپنے حکمرانوں کو اور ووٹر اپنے نمائندوں کو کنٹرول کر سکیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حقیقی جمہوریت کیا ہے؟ حقیقی جمہوریت وہ ہوتی ہے جس میں ووٹروں کا اِختیار نمائندگان کے اوپر ہو۔ کیا ہمارے ملک میں محکوم عوام اپنے حکمرانوں اور نمائندوں پر کنٹرول رکھتی ہے؟ آپ کا جواب نفی میں ہوگا۔ سو یہ نظام جمہوریت نہیں ہے۔ فقط انتخابات کا ڈھونگ رچانے کا نام جمہوریت نہیں ہے۔ آج کی دنیا میں جمہوریت کی تعریف بدل چکی ہے۔ لوگوں کو اندھیرے میں رکھا گیا ہے۔ قومی ادارے اندھیرے سے نکلیں، اہل فکر و نظر اندھیرے سے نکلیں، اَینکرز اور لکھنے والے غور کریں۔ جمہوریت کے لیے تین بنیادی شرائط ہیں:

1. شہریوں کا اندازِ نظر جمہوری ہو۔
2. طریقہ کار جمہوری ہو۔
3. طرزِ حکمرانی جمہوری ہو۔

پاکستان میں جمہوریت نہیں بلکہ مجبوریت ہے۔ آج جمہوریت پر لکھنے والے اس پر متفق ہیں کہ جس ملک میں غربت انتہا درجے کی ہو، ناخواندگی کی شرح یعنی جہالت انتہا درجے کی ہو اور سماجی عدمِ تحفظ انتہا درجے کا ہو؛ اُس ملک میں عوام جمہوری نہیں ہوتے اور ان کا فیصلہ کبھی جمہوری فیصلہ نہیں ہوتا۔ ہمارے انتخابات کسی لحاظ سے جمہوری انتخابات نہیں ہیں، ہمارا process جمہوری نہیں، ہماری حکومت بھی جمہوری نہیں ہے کیونکہ جمہوریت کے لئے شرط ہے کہ rule of law یعنی قانون کی حکمرانی ہو۔ جس میں صدر، وزیر اَعظم، گورنر، وزیر اعلیٰ، ایم این اے، ایم پی اے اور جملہ افسران کے تحفظات کا کوئی

قانون نہ ہو اور آئین طاقت ور ہو، مگر یہاں قانون کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ شخصیات طاقت ور ہیں۔ ہمارے ہاں طاقت یا طاقت ور کا قانون نافذ ہے۔ جس ملک میں عوام اور طاقت ور طبقے کے درمیان قانون برابر نہیں اس ملک کے نظام کو جمہوریت کا نام نہیں دیا جاسکتا۔

پھر جمہوریت کے لئے ضروری ہے کہ institutions یعنی قومی ادارے مضبوط ہوں۔ اِس ملک میں نہ ریاستی ادارے مضبوط ہیں اور نہ سیاسی جماعتوں کے اندر ادارے ہیں۔

جمہوریت کے لئے ضروری ہے کہ مؤاخذہ بطور نظام قائم ہو مگر ملک تو ایک طرف ہمارے ہاں خود سیاسی جماعتوں کے اندر اپنے لیڈر کے مؤاخذے کا کوئی تصور نہیں۔ چنانچہ جہاں مؤاخذہ نہ ہو اس نظام کو جمہوری نظام نہیں کہا جاسکتا۔

پھر جمہوریت کے لئے ضروری ہے کہ پورے نظام اور حکمتِ عملی (policies) میں شفافیت ہو یعنی ہر شے صاف شفاف اور واضح ہو کہ کون کیا کر رہا ہے۔ یہاں کوئی transparency نہیں جبکہ مغربی اور جمہوری ملکوں میں مکمل شفافیت ہے کہ وہاں نمائندگان کیا کیا مراعات لے رہے ہیں، ان کے اخراجات کیا ہیں؟ اثاثہ جات کیا ہیں؟ اختیارات و کارکردگی کیا ہے؟ مغربی ملکوں کی جمہوریت میں پارلیمنٹ کی ویب سائٹس ہوتی ہیں جس پر ہر ایم پی اے اور ایم این اے کے بارے میں مکمل معلومات دست یاب ہوتی ہیں۔ ہر شہری کو حق ہے کہ وہ خود دیکھ سکے کہ اس کے حلقے کے ایم این اے نے کیا کمایا، کتنی مراعات لیں، کیا اخراجات کیے اور کیا اثاثہ جات جمع کیے۔ پاکستان میں کتنے لوگ ہیں جنہیں انٹرنیٹ کا علم ہے اور ان کے پاس کمپیوٹر ہے؟ کتنوں کو ان معلومات تک رسائی ہے؟ ذرا اندرونِ سندھ کا نقشہ ذہنوں میں لائیے جہاں ننگے پاؤں پھرنے والے غریب لوگ زندگی کی بھیک مانگتے نظر آتے ہیں؛ بلوچستان میں غریب دو وقت کی روٹی کے محتاج ہیں؛ خیبر پختونخواہ اور پنجاب کے اندر برادریوں کے پیچھے چلنے والے محروم لوگ ہیں جنہیں

دو وقت کا کھانا نہیں ملتا اور ان کے پاس بل ادا کرنے کے پیسے نہیں ہیں۔ یہ جو زندگی سے تنگ ہیں، وہ کسی کے اثاثہ جات کیا دیکھیں گے؟ ان کو معلومات ہی نہیں ہیں۔ جب ووٹرز کو صحیح معلومات ہی نہ ہوں تو ان کا ووٹ جمہوری ووٹ نہیں کہلاتا۔ نتیجتاً آزادیِ رائے نہیں رہتی۔ کیا اسے نظامِ جمہوریت کہہ سکتے ہیں؟

(۲) 'جمہوریت' یا 'مجبوریت'

مملکتِ خداداد میں 'جمہوریت' کی بجائے 'مجبوریت' کا نظام نافذ ہے۔ جمہوریت تو درحقیقت کاروبارِ حکومت میں عوام کی شراکت کا نام ہے لیکن یہاں جمہوریت عوام کو کاروبار حکومت میں شراکت سے محروم اور دور رکھنے کی ایک ساز باز کا نام ہے۔ یہ جمہوریت ایک فیصد لوگوں کے لیے ان کی عیاشی اور کاروبار کا ذریعہ ہے۔ ملک کے تمام وسائل و ذرائع اور مال و دولت پر گنے چنے مخصوص لوگوں پر مشتمل مافیا قابض ہے۔ اس ملک کے غریب اٹھارہ انیس کروڑ عوام کے لیے نہ روزگار ہے نہ کوئی ذریعہ معاش، نہ وسائل نہ معیشت، نہ عدل و انصاف ہے، نہ جان و مال کا تحفظ۔ عوام کو یہاں حقوق حاصل ہیں نہ ان کی عزت و آبرو محفوظ ہے، حتی کہ ملک کے اٹھارہ کروڑ عوام کو جینے کا حق بھی حاصل نہیں رہا۔ ملکی حالات اس قدر گھمبیر و دگرگوں ہو چکے ہیں کہ لوگ اب یہ بحث کرنے اور سوچنے لگ پڑے ہیں کہ پاکستان کا قیام کہیں غلط فیصلہ تو نہیں تھا۔ معاذ اللہ! استغفر اللہ! کیا یہ ملک عوام کی بجائے صرف خاص اشرافیہ اور ایک مخصوص طبقہ کے لیے بنایا گیا تھا؟ یہ صرف بڑے بڑے مال دار لوگوں کے تحفظ کے لیے بنا تھا یا اس ملک کا قیام اس ملک کے غریب اور پسے ہوئے مجبور لوگوں کے لیے بھی تھا؟ کیا مزدوروں، کسانوں، چھوٹے ملازمت پیشہ لوگوں اور ان کی اولادوں کو اس ملک میں جینے کا کوئی حق نہیں؟ کیا یہ ملک ان سفید پوش لوگوں کے لیے بھی ہے جو رزق حلال پر زندہ رہنا چاہتے ہیں؟ سوچنے کی بات ہے کہ کیا یہ ملک اٹھارہ کروڑ عوام کے لیے بنا ہے یا صرف ان چند ہزار خاندانوں کے لیے کہ مال و دولت، سیاست و معیشت، ذرائع و وسائل غرضیکہ ہر چیز پر ان

کا قبضہ ہو اور اُن کے سوا اٹھارہ کروڑ عوام میں کسی کا کوئی حق نہ ہو؟ عوام کا حق صرف جل کے مر جانا یا سڑکوں پر ٹائر جلاکر احتجاج کرنا ہے۔عوام کا حق صرف لٹتے رہنا اور مہنگائی و محرومیت کی آگ میں جھلستے رہنا ہے۔ یہ ساری زندگی عدالتوں کے دھکے کھاتے ہیں۔ مایوس اور بے بس نگاہوں کے ساتھ جلتے مستقبل کو دیکھتے رہنے کے سوا ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔ نام نہاد سیاسی لٹیروں کا یہ کہنا کہ ہم عوام کے نمائندے ہیں اور عوام کے بھیجے ہوئے ہیں، سب فراڈ ہے؛ یہ سب ان کا دجل وفریب ہے، مکاری ہے، کذب بیانی ہے۔ یہ سارا دجالی نظام ہے جو ظلم و ستم، جبر و بربریت اور کرپشن پر قائم ہے۔ اس نظام میں شریف اور کم زور کی عزت و آبرو کے ساتھ زندہ رہنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ حقیقت یہ ہے اس نظام میں ان کمزور عامۃ الناس کے لیے کوئی جگہ ہی نہیں جو اس ملک کا مستقبل روشن دیکھنا چاہتے ہیں۔

(۳) جمہوریت کی مضبوطی کے تین طریقے

1. اوّلاً جمہوریت کی بنیاد مستحکم آئینی و قانونی روایات اور اَقدار ہوتی ہیں اور وہ روایات اتنی مضبوط ہوتی ہیں کہ اگر بددیانتی اور کرپشن کا کوئی الزام لگ جائے یا کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے تو وزیراعظم اور وزراء خود مستعفی ہوجاتے ہیں۔ پاکستان کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی خود بھی مستعفی ہو۔ پوری قوم چیخ اُٹھے، نہ کوئی خود آ کے اپنی صفائی دیتا ہے اور نہ کسی کے چہرے پر شرم و حیا کا اثر ہی دکھائی دیتا ہے۔

2. دوسری صورت مضبوط check and balance کے نظام کا ہونا ہے۔ ادارے مستحکم بنیادوں پر قائم ہوتے ہیں۔ ان کے اندر آئینی، قانونی، اِنتظامی، جمہوری اور سیاسی check and balance کا نظام اتنا سخت ہوتا ہے کہ کوئی بچ کے جا نہیں سکتا۔ عدالتوں تک معاملہ جاتا ہے نہ ضرورت پڑتی ہے۔ ہمارے ملک میں طاقت ور لوگوں کے لئے کوئی check and balance نہیں ہے۔ طاقت ور آدمی جو چاہے کر لے یا کروا لے اس پر کوئی گرفت نہیں۔ عدالت بھی اس کے آگے بے اختیار ہے۔

3. جمہوریت کی کامیابی کا تیسرا راز یہ ہے کہ انہوں نے عدلیہ کو سپریم بنا دیا ہے۔ اتنا طاقت ور بنا دیا ہے کہ وہ پارلیمنٹ کے پاس کیے ہوئے ایکٹ کو بھی چیلنج کرسکتی ہے۔ یہاں حساب الٹ ہے۔ آئے دن بیان بازی ہوتی ہے کہ پارلیمنٹ سپریم ہے، پارلیمنٹ فوقیت رکھتی ہے۔ یعنی ہمارا پورا نظام ہی الٹ سمت چل رہا ہے۔

پاکستان میں کسی بھی حلقے میں ایم این اے اپنی مرضی کا ڈی سی لگواتا ہے۔ شفافیت کہاں رہی؟ ایس پی، ڈی ایس پی اور ایس ایچ او اپنی مرضی کا لگواتا ہے۔ Rul of law کہاں کا رہا؟ Equity یعنی قانون کی برابری کہاں کی رہی؟ علاقے میں ایم این اے ڈسٹرکٹ جج اور مجسٹریٹ اپنی مرضی کا لگواتا ہے۔ بتایئے قانون کی برابری کہاں رہی؟ آزادی رائے اور قانون کی برابری کہاں گئی؟ اس نظام کو آپ جمہوریت کا نام دیتے ہیں؟ اس سے بڑا دھوکہ اٹھارہ کروڑ عوام کے ساتھ اور کیا ہو گا؟ عوام نے اگر آج بھی آنکھیں نہ کھولیں تو اگلے پانچ چھ سال کے لئے پھر پچھتائیں گے۔ ہمارے ملک میں تھانے پر ایم پی اے اور ایم این اے کا حکم چلتا ہے اور تحصیل وضلع کا ناظم ہو تو اس کا حکم چلتا ہے۔ کچہری میں اس کا اثر رسوخ ہے، لوگوں کی نوکریوں کا کوٹہ اس کے پاس ہے۔ ڈویلپمنٹ ساری ایم پی اے اور ایم این اے کے پاس ہے، ان کے ہاتھوں میں کروڑوں روپے بجٹ ہیں۔ یہ سارا کرپشن کا نظام ہے، جمہوریت کا نہیں۔ ایسے حالات میں مجبور و بے بس طبقہ کس کا مواخذہ کرے؟ یہی حالات رہے تو اِنہی حالات میں قیامت آجائے گی لیکن پاکستان کا مقدر نہیں بدلے گا۔ پاکستان کی جمہوریت بھی کیسی نرالی اور انوکھی ہے!

(۴) ترقی یافتہ ممالک میں جمہوریت کا سفر

واضح رہے کہ تمام مغربی ملکوں نے جمہوریت کا سفر دو اڑھائی صدیوں میں طے کیا ہے۔ انہوں نے اپنی قوم کو تعلیم دی ہے، شعور و آگہی (awareness) اور قومی مسائل کو سمجھنے کی صلاحیت دی ہے۔ انہوں نے نہ صرف ادارے بنائے ہیں بلکہ وہ ادارے مستحکم، فعال اور مضبوط ہوئے ہیں۔ قانون کی حکمرانی (rule of law) قائم ہوئی ہے،

لوگوں کو صحیح آزادی کا مفہوم سمجھ میں آیا ہے اور تمام طاقت ور طبقات کے اثرات ختم ہوئے ہیں۔

بدقسمتی کی انتہا ہے کہ 65 سال گزر گئے، ہم نے حقیقی جمہوریت کے لئے ایک قدم بھی نہیں اٹھایا۔ نہ تعلیم پر خرچ کیا ہے اور نہ صحت پر، نہ آزادی دی اور نہ شعور و آگہی ہوئی اور نہ قانون کی برابری لائے۔ ہمارے سارے طور طریقے انتہائی انفرادی جبر کے ہیں لیکن نام جمہوریت رکھ دیا ہے۔ ہم نے موٹر کار میں ہوائی جہاز کا انجن فٹ کر دیا ہے اور اڑنے کی امید بھی رکھے ہوئے ہیں۔ ہماری پوری قوم کی مثال اُن سواریوں کی سی ہے جو تانگے پر جا رہی ہیں مگر پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوں جنہیں آگے کچھ نظر نہیں آتا۔ جب تانگہ گزر جاتا ہے تو پھر دکھائی دیتا ہے۔ خدانخواستہ ہماری بے خبری میں تانگہ گڑھے میں گر گیا اور قوم کے ساتھ accident ہوگیا تو سوائے ہلاکت کے ہمارے نصیب میں کچھ نہ ہوگا۔ واضح رہے کہ ماحول کے جمہوری ہوئے بغیر جمہوریت نہیں پنپتی۔ معاشرہ جمہوری نہ ہو تو جمہوریت نہیں بنتی۔ جمہوریت گھر سے شروع ہوتی ہے۔ جہاں شوہر بیوی بچوں کو قتل کر رہا ہو؛ بات بات پر خون بہائے جا رہے ہوں؛ دہشت گردی، خوف و ہراس، جہالت، بیروزگاری اور محتاجی ہو وہاں کیسے جمہوریت آ سکتی ہے!

ہمیں جمہوریت کو اصل حال میں بحال کرنا ہوگا۔ موجودہ سیاسی نظام اور انتخابی نظام اس حقیقی جمہوریت کو بحال نہیں کرسکتا۔ اگر ساٹھ سال میں حقیقی جمہوریت عوام کے ہاتھ میں نہیں آئی تو اگلے پانچ سال میں بھی نہیں آ سکتی کیونکہ ہم نے جمہوریت کے ابتدائی تقاضے ہی ابھی تک پورے نہیں کیے۔

(۵) جمہوریت کی ضروری شرائط

بین الاقوامی ادارے اور ماہرین ایک concept پر متفق ہیں کہ جمہوریت صرف انتخاب کا نام نہیں بلکہ پورے نظام کا نام ہے۔

1. اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ الیکشن صحیح معنوں میں شفاف ہو۔ پاکستان میں ووٹنگ کی credibility ہمیشہ مشکوک رہی ہے سابقہ الیکشن میں کاسٹ کیے گئے ووٹوں میں سے پونے چار کروڑ ووٹوں کو الیکشن کمیشن نے جعلی declare کر دیا ہے۔ اس ملک میں الیکشن کی شفافیت کہاں تلاش کی جا سکتی ہے جو کہ جمہوریت کی پہلی شرط ہے۔

2. لوگوں کی participation یعنی شراکت بھی شفاف ہو اور grass root level سے کر top level تک عوام کی شراکت کے تسلسل سے جمہوریت وجود میں آتی ہے۔ ترقی پذیر جمہوری ممالک میں اس سے مراد یہ ہے کہ ملک کے پالیسی سازوں پر عوام کو مواخذے کا حق ہو اور پالیسی ساز جب بھی پالیسیاں بنائیں تو ان پالیسیوں کو عوام چیلنج کر سکیں اور اگر ان کے مقاصد پورے نہ ہوں تو مؤاخذہ کر کے انہیں withdraw کروا سکیں۔ چنانچہ جمہوری ترقی پذیر ممالک میں عوام کی گرفت اور مؤثریت اتنی سخت ہوتی ہے کہ پارٹیز کو ایکشن لینا پڑ جاتا ہے۔ بسا اوقات کورٹس کو بھی ایکشن لینا پڑ جاتا ہے؛ تو یہ جمہوریت کی حقیقی تعریف ہے۔

3. جمہوری نظام تب کامیاب ہوتا ہے جب اس میں جمہوری حکمرانی ہو۔ اگر یہ نہ ہو تو وہ نظام جمہوری نہیں۔ جمہوری حکمرانی کے لیے لازم ہے کہ جان و مال کے تحفظ سمیت تمام human rights کی گارنٹی قوم کو حاصل ہو اور good governance قوم کو ملے۔ بین الاقوامی طور پر یہ امر طے شدہ ہے کہ اگر انتخاب کے نتیجے میں جمہوری حکمرانی وجود میں نہ آئے تو وہ جمہوریت نہیں ہے۔ جمہوریت کا معنی شراکت (participation) یعنی عوام کی شراکت ہے۔ اس لیے جمہوریت کا economic democracy ہونا ضروری ہے، social democracy ہونا ضروری ہے تب ہی political democracy وجود میں آئے گی۔ ان تمام طبقات کی شراکت کو یقینی بنانا جمہوریت کے لوازِم میں سے ہے۔

پاکستان کے نظامِ جمہوریت میں عوام کی شراکت کہاں ہے؟ پانچ سال کے اندر

ایک دفعہ ووٹ ڈالنے کو جمہوریت نہیں کہا جا سکتا۔ عوام کی سیاسی نظام میں مکمل (full fledge) شراکت چاہیے۔ جمہوری حکومت میں قانون کی حکمرانی چاہیے، جبکہ اس ملک میں قانون صرف غریب کے لیے بنتا ہے۔ اُمراء، اراکینِ اسمبلی اور صاحبانِ اِقتدار قانون سے ماوراء ہیں۔ یہ اس لیے کہ طاقت ور حکمران طبقات کے بالمقابل قانون کمزور ہے۔ ان کے پاس قانون کو by pass کرنے کے ہزار ہتھ کنڈے ہیں۔ پارلیمنٹ اور سپریم کورٹ لاکھ بار فیصلہ دے، کمیٹیاں اور کمیشن بنا دے۔ حکومت سالہا سال انہیں لٹکاتی چلی جائے گی۔ دس دس سال تک فیصلے pending پڑے رہتے ہیں اس لیے کہ ملک میں قانون کمزور ہے۔ عدلیہ کی آزادی کی سبھی باتیں کرتے ہیں مگر ہمارے ملک کی سیاست صرف نعرے دیتی ہے۔

4. اگلی شرط شفافیت (transparaency) ہے جن ملکوں میں جمہوریت ہے وہاں میڈیا اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے ہر ایک کو ایک ایک چیز کی خبر ہوتی ہے کہ کیا فیصلے ہوئے ہیں، کیا پالیسیز ہیں اور یہاں کیا حد بندیاں ہیں۔ پھر اس حد کو کوئی کراس نہیں کرتا تا کہ کسی کے مفاد کو نقصان نہ پہنچے۔ نظام بھی شفاف ہوتا ہے اور سیاسی نمائندے بھی اسے پراگندہ کرنے کی جسارت نہیں کرتے۔

اس کے برعکس ہمارے حکمرانوں کی اَوّلیں کوشش یہ ہوتی ہے کہ حقائق کسی طرح بھی عوام تک نہ پہنچیں۔ ظاہر کچھ کرتے ہیں جبکہ پس پردہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے۔ الیکشن ہوں یا اہم قومی معاملات حقائق ہمیشہ چھپائے جاتے ہیں۔ یہاں کرکٹ میچ تک fixed ہوتے ہیں۔ قوم کو ان تمام حقائق سے بے خبر رکھا جاتا ہے تا کہ ان کی لوٹ کھسوٹ اور ناانصافی پر مبنی نظام چلتا رہے۔ جبکہ شفافیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اِحتساب کا ایک مضبوط نظام قائم ہو اور عدل و انصاف ہر جگہ نظر آئے تا کہ عوام حکومتوں کا احتساب کر سکے۔

5. جمہوری نظام کا ایک حصہ آزادیِ رائے بھی ہے۔ مغربی دنیا میں شوہر کو معلوم

نہیں ہوتا کہ اس کی بیوی کس کو ووٹ دینے جا رہی ہے، شوہر کسی اور پارٹی کو ووٹ دیتا ہے عورت کسی اور کو، والدین کسی کو دے رہے ہیں اور اولاد کسی کو؛ یعنی اس حد تک اظہارِ رائے میں آزادی اور خودمختاری ہے۔ ایک شخص دوسرے کی رائے پر اثر انداز نہیں ہوتا، نہ پولیس اثر انداز ہوتی، نہ میڈیا، نہ اسٹیبلشمنٹ اور نہ طاقت ور لیڈرز اور نہ ان کے نمائندے۔ وہاں بندوق کے زور پر ووٹ لینے کا کوئی تصور نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جمہوری حکومت کے بغیر جمہوریت کا کوئی وجود نہیں۔ اس کے لیے لازم ہے کہ لوگوں کو حقوق ملیں۔ طاقت اداروں کے ہاتھوں میں ہو۔ عام لوگوں کو بنیادی سہولیات ملیں۔ بجلی، گیس، ہیلتھ، تعلیم، روزگار، عدل و انصاف وغیرہ سب جمع ہوں تو پھر جمہوری حکومت بنتی ہے۔

(۶) جمہوریت یا طاقت ور گھوڑوں کا مقابلہ؟

آپ اپنے ایمان سے کہیے کہ جس ملک میں ننانوے فیصد افراد قوم کے وکلاء، تاجر، پروفیسرز، intelligentsia، پڑھا لکھا نوجوان، سائنٹسٹ، تعلیم یافتہ سفید پوش افراد یعنی جن طبقات کے پاس حرام کے ذرائع سے کمائے ہوئے کروڑوں روپے الیکشن میں جھونکنے کے لیے نہیں، وہ الیکشن میں کیسے حصہ لے سکتے ہیں؟ پھر ان موجودہ سیاسی جماعتوں میں خواہ وہ پیپلز پارٹی ہو یا درجنوں مسلم لیگز ہوں یا کوئی اور ...... یہ تمام سیاسی جماعتیں اپنے نظریاتی کارکنوں کو جو ایم۔ اے ہوں، PhDs ہوں، ماہر scientists ہوں، economists ہوں، social sciences میں ماہر ہوں، financial management میں ماہر ہوں، مگر ہوں بالکل متوسط سفید پوش طبقہ سے۔ بفرض محال ان کو ٹکٹ دے دیں تو کیا وہ الیکشن جیت سکیں گے؟ سادہ جواب ہے: No۔ جو جماعت بھی ان باکردار، تعلیم یافتہ کارکنوں کو سیٹوں کے لیے ٹکٹ دے گی وہ جماعت الیکشن ہار جائے گی۔ سوال پھر یہ پیدا ہوا کہ دشمن کون ہوا: جماعت یا monopolistic electoral system؟ اس الیکشن میں باکردار، سفید پوش اور تعلیم یافتہ آدمی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ حالانکہ یہی لوگ اپنے علم، تجربے اور پلاننگ سے حقیقی طور پر اس ملک

کی تقدیر بدل سکتے ہیں۔ اس الیکشن کے نظام میں ایسا کوئی شخص انتخاب نہیں لڑسکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ صالح اور نظریاتی کارکنوں کو مروّجہ نظامِ سیاست قبول ہی نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے آپ جب سیاسی جماعتوں سے بات کرتے ہیں کہ آپ پھر انہی کو ٹکٹ دے رہے ہیں جن سے قوم مایوس ہے تو ہر سیاست دان یہی جواب دیتا ہے کہ 'کیا کریں ان کے بغیر الیکشن نہیں لڑا جا سکتا!' بس یہاں جا کر ساری کہانی ختم ہو جاتی ہے۔ یہی اس انتخابی نظام کی سب سے بڑی خرابی ہے۔ چنانچہ یہ نظامِ انتخاب ہی عوام کا سب سے بڑا دشمن ہے جس نے اسے سر سے پاؤں تک لوہے کی بیڑیوں سے جکڑ رکھا ہے۔ اس نظام میں جو جیتنے کے قابل ہیں ان کو winning horses کہتے ہیں، ان کو ہی put کریں گے تو آپ جیتیں گے۔ ایک پڑھے لکھے آدمی کے پاس کیا ہے؟ اُس کے پاس علم ہے، دیانت ہے، سفید پوشی ہے اور ملک و قوم کا درد ہے۔ اس کے پاس دماغ ہے، صلاحیت ہے، deliver کرنے کی capability بھی ہے یعنی وہ سارا کچھ ہے جس پر قوم فخر کر سکتی ہے۔ لیکن اس انتخابی نظام کے سامنے ان کی تمام صلاحیتیں صفر ہیں۔ حالانکہ اس ملک کی عوام میں talent کی کمی نہیں۔ اس میں امریکی قوم سے بھی بہتر talent ہے۔ خدا کا فضل ہے اس سرزمین پاکستان پر کہ یہاں کے ڈاکٹرز، انجینئرز، قانون دان، economists، sociologists وغیرہ مغربی اور یورپی اقوام سے کسی طرح پیچھے نہیں۔ میں مجموعی طور پر بات کر رہا ہوں، کسی شعبے میں ہم دنیا کی کسی قوم سے پیچھے نہیں لیکن نظام ہم سب کے پاؤں کی زنجیر بنا ہوا ہے۔ یہاں تو سیاست وہی کر سکتا ہے جس کے پاس طاقت ور گھوڑے یعنی winning horses ہوں۔ جہاں حکومت سازی کے لیے گھوڑوں کی سی مار دھاڑ پر مبنی طاقت درکار ہو وہاں دانش و حکمت اور علم و بصیرت وغیرہ کی کیا قدر ہوگی؟ فکر کی صلاحیت اور ذہنی قابلیت کو کتنا weight مل سکے گا؟

(۷) اسٹیبلشمنٹ کی دخل اندازی

پاکستانی جمہوریت کی ایک برائی establishment کا عمل دخل ہے۔

اسٹیبلشمنٹ کی بھی ہمارے ہاں مکمل اجارہ داری ہے۔ یہ ملکی سیاست پر کبھی اقتدار کو بلاواسطہ اور کبھی بالواسطہ کنٹرول کرتی ہے۔ بظاہر دیکھنے میں سیاست دانوں اور اسٹیبلشمنٹ کی جو باہم جنگ نظر آتی ہے وہ محض ایک نورا کشتی ہوتی ہے کیونکہ تمام سیاسی پارٹیاں - جو اِس وقت ملک میں موجود ہیں - one way or the other اسٹیبلشمنٹ کی ہی پیداوار ہیں۔ اسی نے حسب ضرورت اِن کی پرورش کی ہے۔ ہر دور کی فوجی آمریت نے اپنے سائے کے نیچے سیاست دانوں کو تیار کیا ہے اور ایک نئی جماعت کو جنم دیا ہے۔ دس دس سال لگا کے ان کو launch کیا اور بعد ازاں جب وہ جماعتیں مضبوط ہو جاتی ہیں تو پھر وہ جمہوریت کے حق میں فوجی آمریت کے خلاف نعرہ بلند کرنے نکل کھڑی ہوتی ہیں کیونکہ اس وقت سیاسی و جمہوری دور آ چکا ہوتا ہے۔ فوجی آمریت کے دور میں یہ لوگ ان سے مل کر ساز باز کرتے ہیں، لبیک کہتے ہیں اور جب سیاسی دور آ جاتا ہے تو ان میں سے بہت سے لوگ indirectly اسٹیبلشمنٹ کے کنٹرول میں ہوتے ہیں۔ اسٹیبلشمنٹ کا اثر و رسوخ کبھی ختم نہیں ہوتا، اِس کی ایک مضبوط، مستحکم اور مؤثر اجارہ داری ہے۔

(۸) Split مینڈیٹ اور حکومتی پارٹیوں کا مفاداتی ایجنڈا

Split مینڈیٹ جتنا زیادہ آتا ہے اسٹیبلشمنٹ کو اُسی قدر کھیلنے کا موقع ملتا ہے اور ملکی سیاست کے جوڑ توڑ میں اس کا عمل دخل بہت بڑھ جاتا ہے۔ وہ اپنی مرضی سے لوگوں کو جوڑتے ہیں، ملاتے ہیں اور اگر ان کی براہِ راست مداخلت اتنی نہ بھی ہو تو بہر حال گورنمنٹ تو چونکہ بنانی ہے جب اکثریت کسی کے پاس نہیں ہوتی تو مختلف دھڑے وجود میں آتے ہیں اور ان کا اتحاد مفادات کا اتحاد ہوتا ہے۔ قومی ترجیحات کی انہیں کیا پرواہ! اس میں کرپشن کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ چنانچہ بلاتخصیص چھوٹے بڑے علی الاعلان دونوں ہاتھوں سے قومی دولت سمیٹتے ہیں۔

سب برسرِ اقتدار سیاسی جماعتیں دراصل کسی واضح منشور کے بغیر بس یک نکاتی ایجنڈے - اقتدار و مفادات - کے تحت حکومت میں آتی ہیں اس لیے قومی فلاحی منصوبے

ان کے ایجنڈے پر کبھی نہیں ہوتے۔ ان کا ایجنڈا صرف اقتدار ہوتا ہے۔ حکومت میں شامل سارے گروپ اقتدار کو شیئر کرتے رہتے ہیں۔ یہ تعلق ان کو اکٹھا رکھتا ہے، وہ اس کو بچانے کی فکر میں 5 سال گزار دیتے ہیں؛ اور اپوزیشن اس کے برعکس یہ پانچ سال ان کو گرانے میں لگا دیتی ہے۔ اس لیے میں یہ بات categorically کہہ رہا ہوں کہ اس کرپٹ نظامِ اِنتخاب سے مثبت تبدیلی کی امید رکھنا عبث ہے۔ یہ تبدیلی کا راستہ ہرگز نہیں ہے۔

۵۔ تبدیلی کے ممکنہ راستے

(ا) تبدیلی لانے کے تین ممکنہ راستے

اب آپ کے ذہنوں میں سوال ہوگا کہ آخر تبدیلی کے راستے کیا ہیں؟ پہلے سے موجود ان راستوں اور طریقوں کی بھی میں وضاحت کر دینا چاہتا ہوں۔

1. تبدیلی بذریعہ فوج آ سکتی ہے؟ اس پر میرا جواب no ہے۔ فوج کے ذریعے کئی بار تبدیلی آئی لیکن فوجی آمریت ملکی مسائل کو نہ کبھی حل کر سکی نہ کبھی کرے گی۔ اُلٹا اس کا نقصان یہ ہے کہ اس سے خود فوج کے ادارہ کی قوم کے دلوں میں ساکھ ختم ہو جاتی ہے۔ چونکہ پوچھنے والا کوئی نہیں ہوتا اس لیے اس میں بھی کرپشن انتہا درجے کی ہوتی ہے۔ بیرونی طاقتوں کی مداخلت بڑھ جاتی ہے کیونکہ وہ فردِ واحد سے بات کر رہے ہوتے ہیں، پارلیمنٹ سے نہیں۔ اور فردِ واحد سے بات کر کے فیصلہ کروانا ان کے لیے زیادہ آسان ہوتا ہے، خصوصاً military dictatorship بیرونی طاقتوں کے لیے انتہائی سازگار ہوتی ہے جبکہ ملک اور قوم کے لیے اتنی ہی تباہ کن ہے۔ لہٰذا بذریعہ فوج تبدیلی آمریت کا راستہ ہے، یہ تبدیلی کا راستہ ہرگز نہیں ہے۔

2. دوسرا طریقہ بعض انتہا پسند ذہنوں میں آتا ہے کہ تبدیلی بذریعہ طاقت یا بذریعہ بندوق لائی جائے۔ یہ دہشت گردی کا راستہ ہے، اس پر بھی میرا جواب absolutely

no ہے۔ ہم لوگ اس ملک کو دہشت گردی کی آگ میں جلتا دیکھ چکے ہیں کہ اس کے کتنے نقصانات ہوئے، اس لیے ہم اس ملک کو دہشت گردی سے نجات دلانا چاہتے ہیں۔ بندوق قوم کے جوانوں کے ہاتھ سے لے لینا چاہتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں امن اور ترقی کی بندوق دینا چاہتے ہیں اور وہ علم ہے۔ انہیں شعور کا اسلحہ اور اعلیٰ کردار کی طاقت دینا چاہتے ہیں۔ لہٰذا یہ دہشت گردوں کا راستہ ہے، انتہاء پسندوں کا راستہ ہے، یہ militancy ہے۔ یاد رکھیں! militancy اسلام میں جائز ہے نہ پاکستان میں اس کا کوئی مستقبل ہے۔ پاکستان کو ایک moderate، پُراَمن ریاست ہونے کا تاثر دنیا کو پیش کرنا ہے جو tolerance اور patience کی حامل ہو، جس کے اندر progress اور development ہو، جہاں باہمی اِفہام و تفہیم اور گفت و شنید کے ذریعے مسائل حل کیے جائیں، جس کے اندر شفافیت ہو۔ پھر اس کے اندر intra-faith dialogue کی گنجائش ہو اور مسلمانوں کے فرقوں کے اندر بھی ہم آہنگی ہو۔ وہ ایک دوسرے کا گلہ نہ کاٹیں، مسلمانوں کے مختلف فرقے اور مسالک ایک دوسرے کو کافر ہونے کا فتوی نہ دیں، بلکہ بین المسالک ہم آہنگی کی بنیاد پر جسدِ واحد کے طور پر رہیں۔

اسی طرح interfaith harmony کے ذریعے بین المذاہب ہم آہنگی بھی اہم ہے۔ یہ ملک فتح نہیں کیا گیا کہ فتح کرنے کے بعد اقلیتوں کو اَمان اور ذِمّی کا status دیں۔ بلکہ تمام غیر مسلم اقلیتیں پاکستان کے مسلمانوں کی طرح برابر درجے کی شہری ہیں۔ اُنہوں نے بھی قیامِ پاکستان میں اسی طرح حصہ لیا تھا جس طرح یہاں کی مسلم اکثریت نے حصہ لیا تھا۔ مسلم اکثریت اور غیر مسلم اقلیت نے مل کر تقسیم ہند اور قیام پاکستان کی جنگ لڑی تھی۔ وہ برابر درجے کے شہری ہیں، ہر ایک کو اپنی مذہبی آزادی حاصل ہے۔ آقا ﷺ نے جب ریاستِ مدینہ قائم کی تو آپ ﷺ نے یہود اور ان کے تمام clients کے ساتھ ایک political alliance قائم کیا تھا اور میثاقِ مدینہ کی صورت میں پہلا آئین اور دستور دیا تھا جس میں مسلمانوں اور یہود کو مل کر ایک single

nation قرار دیا تھا۔[1]

میثاقِ مدینہ کے آرٹیکل 28 میں آقا ﷺ نے فرمایا:

إنّ يَهُودَ بَنِی عَوْفٍ أُمّةٌ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ، لِلْيَهُودِ دِينُهُمْ وَلِلْمُسْلِمِيْن دِينُهُمْ، مَوَالِيهِمْ وَأَنْفُسُهُمْ.[2]

بے شک یہودِ بنی عوف، مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک ہی اُمت قرار دیے جاتے ہیں مگر یہود کے لیے ان کا اپنا دین ہوگا اور مسلمانوں کے لیے ان کا اپنا۔ اُمت ہونے میں وہ خود بھی شامل ہوں گے اور دونوں طبقات کے موالی بھی۔

آپ ﷺ نے انہیں ایک قوم اور ایک political entity بنا دیا تھا اور فرمایا کہ ہر کوئی اپنے مذہب میں آزاد ہوگا۔ ہمارا ملک رواداری کا ملک ہے، اسے برداشت اور رواداری کا ملک ہونا چاہیے، بین المذاہب اور بین الفرقہ ہم آہنگی کا ملک ہونا چاہیے، ہم یہاں برداشت کے کلچر کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔ البتہ اقلیتوں کو اکثریت کے جذبات، احساسات، مذہبی نظریات اور متفقہ آئین کی پابندی کرنا ہوگی ورنہ پُرامن بقاے باہمی ناممکن ہوگی۔ لہٰذا تبدیلی کبھی طاقت، بندوق اور انتہا پسندی سے نہیں آئے گی۔ یہ راستہ اسلام دشمن بھی ہے اور عوام دشمن و پاکستان دشمن بھی۔ ہمیں یہاں امن کے ساتھ تبدیلی لانی ہے۔

---

(۱) حواله جات کے لیے ملاحظہ ہوں: سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام، کتاب الأموال لأبی عبید قاسم بن سلام، کتاب الأموال لابن زنجویه اور دیگر کتبِ سیر و تاریخ۔

(۲) ۱۔ ابن ہشام، السيرة النبوية، ۲:۴۹۹

۲۔ ابن زنجويه، كتاب الأموال، ۱:۳۹۴

۳۔ ابن کثیر، البداية والنهاية، ۳:۲۲۵

3. اب اِس کے بعد تیسرا اور آخری راستہ بچ جاتا ہے جو ذہنوں میں آتا ہے، وہ تبدیلی بذریعہ انتخابات ہے۔ اب یہ بات بڑی اہم ہے۔ ہر شخص آج اس انداز سے سوچتا ہے، یہ ایک سوچ ہے جسے ٹیلی ویژن چینلز پر anchorpersons بھی بہت discuss کر رہے ہیں، اخبارات و رسائل کے آرٹیکلز میں discuss ہو رہا ہے۔ جیسے کہ پہلے بیان کر چکا ہوں الیکشن کے نتائج نے نہ اس ملک کو گرداب سے نکالا ہے اور نہ اس کو صحیح قیادت عطا کی ہے، نہ اس ملک کو استحکام دیا ہے اور نہ ہی اس کی معیشت کو مستحکم کیا ہے۔ لہٰذا آئندہ اگر اسی نظام کے تحت یہ الیکشن ہوتے رہے تو اس طریقے سے سو بار الیکشن بھی ملک میں تبدیلی کی ضمانت نہیں دے سکتے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ انتخابات معروف سیاسی و جمہوری خصوصیات کے حامل ہی نہیں رہے۔ انتخاب بے شک ایک آئیڈیل چیز ہے، میں اس کا قائل ہوں، مگر یاد رکھ لیں محض انتخاب کا نام جمہوریت نہیں ہے۔ جمہوریت ایک بڑی کلیت ہے اور انتخاب اس کا ایک جزو ہے۔ آپ UN اور جنرل اسمبلی کی resolution پڑھیں جس میں انہوں نے جمہوریت کو define کیا ہے۔ انہوں نے صرف ان انتخابات کو حقیقی انتخاب کہا ہے جو درج ذیل دو شرائط کو پورا کرتے ہوں:

(۱) الیکشن پراسیس genuine ہو یعنی انتخابات صحیح معنوں میں عدل و انصاف پر مبنی اور شفاف طریقے سے ہوں۔

(۲) لوگ اپنا حق رائے دہی آزادانہ طریقے سے استعمال کر سکتے ہوں۔

یہاں آزادانہ حق رائے دہی کہاں ہے؟ ہمارے مروجہ نظام سیاست نے تو 5 سال کے بعد ایک دن کی پولنگ کو جمہوریت کا نام دے رکھا ہے اور اس دن کی حالت بھی یہ ہوتی ہے کہ جتھے اور کنبے بھیڑ بکریوں کی طرح چودھریوں اور ٹھیکے داروں کے ذریعے گاڑیوں پر بٹھا کر پولنگ سٹیشن لائے جاتے ہیں اور سماجی دباؤ کے تحت اپنے اپنے پسندیدہ انتخابی نشان پر مہریں لگوائی جاتی ہیں۔ ووٹ لے کر پھر ان سے کوئی واسطہ تعلق نہیں رہتا۔

اگلے الیکشن تک حکومت جو بھی ظالمانہ، نامنصفانہ، عوام دشمن رویہ اختیار کرے جمہوریت اور جمہوری عمل ہی کہلاتا ہے۔ انتخابات اسی وقت حقیقی تبدیلی کا ذریعہ بن سکتے ہیں جب مندرجہ بالا دونوں شرائط پر پورے اترتے ہوں۔ اس کا طریقہ کار ہم آخر میں بیان کریں گے۔

(۲) جمہوریت کی گاڑی

کوئی شک نہیں کہ انتخابات جمہوریت کی ایک گاڑی ہے، قوم اِس میں اس لیے بیٹھتی ہے کہ یہ جمہوریت کی منزل تک لے جائے۔ لیکن اگر گاڑی میں خطرناک قسم کی خرابیاں آ جائیں، انجن فیل ہو جائے، یا اس سے تیل بہ کر آگ لگ جائے، یا گاڑی کی بریکس فیل ہو جائیں تو اس سے مہلک حادثہ ہوسکتا ہے اور سواریوں کی ہلاکت اور جان کے تلف ہونے کا ڈر ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ جب گاڑی میں خرابی واقع ہو تو اس کے چلانے پر اصرار نہ کیا جائے بلکہ اسے ورکشاپ بھیجا جاتا ہے تاکہ جو جو خرابیاں موجود ہیں انہیں دور کرکے محفوظ سفر کے لیے تیار کیا جاسکے۔ چنانچہ مرمت کرا کے اس گاڑی کو پھر track پہ ڈالتے ہیں اور سفر پر روانہ کرتے ہیں، تب سلامتی کے ساتھ منزل تک پہنچنے کا امکان ہوتا ہے۔

نظامِ انتخاب کی جس گاڑی کے ذریعے آپ جمہوریت کی آئیڈیل منزل تک پہنچنا چاہتے ہیں اس میں بڑی خطرناک خرابیاں آ چکی ہیں۔ یہ خرابیاں موجودہ دور سے نہیں بلکہ پچھلے چالیس پچاس برس سے مسلسل بڑھتی جارہی ہیں اور اب انتہا پر جا چکی ہیں۔ بنابریں اس گاڑی کے اب مزید سلامتی کے ساتھ چلنے اور منزل تک پہنچنے کے کوئی امکانات نہیں رہے۔

اس سیاسی نظام میں شراکت داری کی مثال ان مسافروں کی مانند ہے جو کراچی جانے کے لیے ٹرین میں سوار ہوتے ہیں مگر بدقسمتی سے اس ٹرین کا رُخ پشاور کی طرف ہوتا ہے۔ اب اگر وہ سالوں تک اس پر سوار رہیں مگر منزل پر نہیں پہنچ سکیں گے۔

پاکستان میں موجود نظام انتخاب کے ذریعے قائم ہونے والی اسمبلیوں کی مثال نمک کی کان کی طرح ہے ھر کہ در کان نمک می رود نمک می شود (جو اس میں گیا وہ نمک بن کر رہ گیا)۔ اب اگر 20 یا 25 منتخب افراد حقیقی تبدیلی کے خواہاں بھی ہوں تو چار سو کی اسمبلی میں ان کی آواز کون سنے گا! نتیجہ یہ ہوگا کہ گندے انڈوں میں رہ کر وہ بھی گندے ہو کر غیر مؤثر ہو جائیں گے۔ ان کو یقیناً دو میں سے کسی ایک پلڑے میں جانا ہوگا؛ اپنے سیاسی وجود کو قائم رکھنے کے لیے گورنمنٹ میں شامل ہونا ہو گا یا اپوزیشن میں۔ اگر حکومت میں شامل ہوئے تو بس اقتدار تمام تر برائیوں سمیت ان کی منزل ہوگی اور 5 سال اقتدار بچانے پر صرف ہوں گے اور قوم کو کچھ نہیں ملے گا اور اگر اپوزیشن میں ہوں گے تو 5 سال اقتدار پر بیٹھی حکومت کو گرانے پر صرف ہوں گے۔ اس کے سوا اس اسمبلیوں نے کچھ نہیں دینا۔ میں خود اسمبلی ممبر رہا مگر جب یہ اَمر مجھ پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگیا تو میں نے اسے چھوڑنے میں ایک لمحے کا توقف نہیں کیا۔

(۳) تبدیلی کا عمل کہاں سے شروع ہو؟

اگر خرابی کی شکل میں گاڑی کو ورکشاپ بھیجنے پر آپ متفق ہیں تاکہ مرمت کرانے کے بعد اسے ٹریک پر ڈالا جائے تو میں تجویز کروں گا کہ موجودہ نظامِ انتخابات کی خطرناک حد تک خراب گاڑی کو اِس وقت ٹریک پر چلنے سے روک دیا جائے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہو گا کہ اسے چلنے سے روکے گا کون؟ سیاسی جماعتیں کبھی نہیں روکیں گی، ان کا مفاد اور مستقبل اور ان کی سیاسی زندگی کا تحفظ اور ان کا بزنس غرضیکہ ان کا جینا مرنا انہی انتخابات پر منحصر ہے۔

سیاسی لیڈروں اور سیاسی جماعتوں کا اس مروّجہ سیاسی نظام کے ساتھ گہرا تعلق ہے، اس لیے وہ اس نظام کو بچاتے ہیں اور ہر وقت نظام بچانے کی رٹ لگائے رہتے ہیں کیونکہ یہ نظام اُن کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔ ذرا سوچیے! یہ کیسا نظام ہے جہاں عوام دو وقت کی روٹی کو ترس جائیں؟ عزتِ نفس اور بنیادی حقوق تک سے محروم کر دیے جائیں اور

جس میں ناانصافی اور ظلم و ستم کا دور دورہ ہو، ملکی سالمیت اور خود مختاری کا سودا کر دیا جائے، قومی اداروں اور ملکی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا جائے۔ یہ کیسا نظام ہے جس میں اس حکومت نے اپنے مفادات کی خاطر ہمیں غیروں کے ہاتھوں غلام بنا دیا ہو؟ جب وہ اس نظام کو قائم رکھنے کی بات کرتے ہیں تو دراصل اِس کرپٹ نظام کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔

(۴) اگر یہ نظام ہے تو پھر بدنظمی کیا ہوتی ہے؟

لہٰذا وہ نام نہاد پاکستانی نظامِ جمہوریت کے دانش ور جو جمہوریت کا نام لیتے نہیں تھکتے اور پاکستان میں موجودہ نظام کو برقرار رکھنے کے حامی ہیں ان سے سوال ہے کہ وہ بتائیں کہ یہ نظام ہے کیا؟ اگر اسی کا نام نظام ہے تو پھر بدنظمی کسے کہتے ہیں؟ آپ کس نظام کی بات کرتے جو قوم کو کرپشن، فراڈ، ناانصافی، جہالت، قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ دے اور اسے ذلت و رُسوائی سے ہم کنار کرے۔

اِنتخاب کی پہلی شرط یہ ہے کہ ووٹر کو ووٹ ڈالتے ہوئے یہ پتہ ہو کہ میرے ووٹ سے کیا change آ سکتی ہے۔ یہ کیسا جمہوری نظام اور طرزِ انتخاب ہے کہ اگر پارٹیوں کی پالیسیز میں کوئی فرق اگر ہے تو وہ گالیوں کا فرق ہے، دنگے فساد کا فرق ہے۔ وہ فرق برادری اِزم اور خاندانی وابستگیاں ہیں۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کی شخصیت کو آج تک سیاسی طور پر پوجتے ہوئے ووٹ دیتے چلے آ رہے ہیں۔ انہیں کسی منشور سے کوئی غرض نہیں۔ جہاں شعور کا عالم یہ ہو اور یہ بھی کوئی نہ پوچھے اور نہ جانے اور سمجھے کہ ان پارٹیز کی پالیسیز میں کیا فرق ہے تو وہاں کس جمہوریت کی بات کی جاتی ہے؟ پیپلز پارٹی 70ء میں جب پہلی بار آئی تو ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کا دور تھا، مسلم لیگیں اور دوسرے لوگ ایک طرف تھے۔ اس وقت نظریات کا ایک فرق ضرور تھا، بعد میں نتائج کیا آئے یہ الگ بحث ہے۔ کچھ نہ کچھ تبدیلی آئی اور ایک ڈائریکشن بنی، قومی پالیسی کا ایک نقشہ تھا لیکن بدقسمتی سے وہ دور جانے کے بعد آنے والے سب اَدوار دیکھ لیں ان میں سوائے الفاظ کے، نعروں کے، تقریروں کے اور ہے ہی کچھ نہیں۔ اب ترجیحات ہیں نہ

پالیسیز ہیں اور نہ ہی پلاننگ۔ صرف ایک دوسرے کو گالی گلوچ، ایک دوسرے پر الزام تراشی اور تہمتیں ہی پارٹیوں کا کل منشور ہے۔

کیا اس نظام سے آپ اِس ملک کو بچانا چاہتے ہیں؟ اِس سیاسی اور انتخابی روِش سے تبدیلی کی اُمید رکھتے ہیں کہ روشن سویرا طلوع ہو؟ خدارا! اِس سازش کو سمجھیں۔ ابھی حالیہ دورانیہ میں جو کچھ آپ کے ساتھ ہوا کیا یہ بھیانک مستقبل کی خبر نہیں دے رہا؟ اب پھر وہی پرانا میلہ لگے گا، ٹکٹیں بکیں گی، پارٹیاں میدان میں کودیں گی، جلسے شروع ہو جائیں گے اور لوگ جوش و خروش سے آ جائیں گے، کہیں ایمانی جوش ہوگا تو کہیں جمہوری جوش ہوگا اور کہیں نظریاتی جوش ہوگا۔ بس پوری قوم دوبارہ بے وقوف بنے گی، الیکشن ہوگا، ووٹ ڈالیں گے، جب نتائج آئیں گے تو اِسی طرح کی ایک نئی پارلیمنٹ تمام تر خرابیوں کے ہمراہ دوبارہ آپ کے سامنے کھڑی ہوگی۔ Split mandate کے ساتھ لوٹ کھسوٹ کے لیے پھر جوڑ توڑ شروع ہوجائے گا اور قوم گئی جہنم میں! یہ ہے پاکستان کا نظام جمہوریت اور طرز انتخاب۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ اس نے قوم کو کیا دیا؟ تو جواب ملتا ہے کہ آپ کون ہیں پوچھنے والے، ہمیں قوم نے mandate دیا ہے۔ لوگوں کے ووٹوں سے آئے ہیں۔ اگر ہم نے کچھ نہ دیا تو اگلے الیکشن میں قوم ہمیں مسترد کر دے گی۔ اس جملے کے سوا سترہ کروڑ عوام کو کبھی کچھ نہیں ملا۔ حالانکہ الیکشن کیا ہے؟ یہ دراصل 5 سال کے بعد اس قوم کو پھر سے بے وقوف بنانے کا عمل ہے۔ انہیں اس بات کا علم ہے کہ مروّجہ باطل سیاسی نظامِ اِنتخاب کے ہوتے ہوئے کسی میں ان کو مسترد کرنے کی طاقت نہیں۔ تبھی تو دس دس مرتبہ منتخب ہو کر تیس تیس سالوں سے اسمبلی میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

اے اہلیانِ پاکستان! جب تک یہ شعور بیدار نہیں ہوگا، ہمیں اپنے اچھے برے کی تمیز نہیں ہوگی اور اپنے حقوق کو حاصل کرنے کا جذبہ بیدار نہیں ہوگا؛ سب کچھ لا حاصل ہے۔

٦۔ موجودہ نظامِ سیاست و اِنتخابات کے خلاف جد و جہد کی ناگزیریت

(ا) کرپٹ نظامِ اِنتخابات اور اس کے بھیانک نتائج

پاکستان کے عوام ایک بنیادی تبدیلی کے آرزو مند ہیں، لیکن ہر چار پانچ سال کے بعد تبدیلی کے نام پر انہیں دھوکہ دیا جاتا ہے۔ اس کرپٹ سسٹم، نااَہل قیادتوں اور غیر شفاف نظام اور غیر مؤثر حکومتوں کے نتیجے میں اس قوم پر ہر طرح کے مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔ لوگ بنیادی ضرورتوں سے محروم ہو کر خودکشیوں پر مجبور ہیں۔ جان و مال کی ہلاکت اور دہشت گردی، قتل و غارت اور لوٹ مار اِن کا مقدر بن چکا ہے۔ لوگ بجلی، سوئی گیس اور پانی کی بنیادی ضروریات سے محروم ہیں؛ بے روزگاری نئی نسل کو چور ڈاکو بننے کی ترغیب دے رہی ہے۔ نسلی، علاقائی، لسانی تعصّبات نے ملک کا وجود خطرے میں ڈال دیا ہے۔ یہاں المیہ یہ ہے کہ لوگ پانچ سال تک اِس نظام کے خلاف اپنی نفرتوں اور غیظ و غضب کو پالتے رہتے ہیں اور اپنے دشمن کو پہچاننے کی کوشش کرتے رہتے ہیں تاکہ آئندہ ان سے نجات حاصل کریں مگر بدقسمتی سے جوں ہی چار یا پانچ سال پورے ہوتے ہیں، اُن کا وہی دشمن نئے انداز سے دوستی، وفاداری، ہم دردی اور محبت کا لباس اوڑھ لیتا ہے اور یہی رہزن ان کی عزت و آبرو اور جان و مال کے محافظ کا روپ دھار کر سامنے آجاتے ہیں۔ اپنے دشمن کی پہچان نہ رکھنے والی بے سمت، تباہ حال اور بدنصیب قوم پھر اُنہی رہزنوں کو دوست اور مسیحا سمجھ کر اگلے پانچ سال کے لیے منتخب کرلیتی ہے۔ اِس طرح وہ تمام نفرت اور غیظ و غضب جو گزشتہ پانچ سالوں میں کرپٹ عناصر کی لوٹ مار کے باعث لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوا تھا اور جس کے نتیجے میں ان کی آنکھوں سے پردے اٹھ رہے تھے اور وہ حقائق سے آگاہ ہو رہے تھے - سب بے کار چلا جاتا ہے اور شعور کا چراغ

پھر بجھ جاتا ہے۔

(۲) آئندہ اِنتخابات کا متوقع نقشہ

آنے والے انتخابات کا نقشہ کیا ہوگا؟ اس کا متوقع منظر نامہ بالکل واضح ہے۔ پیپلز پارٹی کے ووٹ کا تناسب (ratio) کم و بیش وہی رہے گا، دو فیصد سے زیادہ فرق نہیں پڑے گا۔ چنانچہ پیپلز پارٹی کی اسی حیثیت کے ساتھ چند سیٹیں کم ہوجائیں گی، وہ پارلیمنٹ میں دوبارہ آئے گی۔ سندھ میں اس کی جو اپنی پوزیشن ہے وہی رہے گی البتہ پنجاب میں تھوڑا فرق پڑے گا، سرحد اور بلوچستان میں تھوڑے فرق کے ساتھ مینڈیٹ ملے گا۔ پنجاب میں مسلم لیگ (ن) کو مینڈیٹ ملے گا اگرچہ نئی قوتوں کے میدان میں آنے سے یقیناً کچھ plus، minus بھی ہوگا۔ پنجاب میں کچھ سیٹیں مسلم لیگ (ن) لے گی، کچھ (ق) لیگ والے اور کچھ نئے امید وار بھی لیں گے؛ لہٰذا یہاں مینڈیٹ پہلے سے بھی زیادہ split ہو جائے گا۔ کراچی، حیدر آباد اور سکھر کی شہری آبادیوں میں MQM کا جو مینڈیٹ ہے وہی رہے گا۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ اور سندھ کی چند سیٹیں جو باقی سندھی لے جاتے ہیں، دوبارہ وہی لے جائیں گے۔ بلوچستان کی مختلف مقامی جماعتوں کا مینڈیٹ بھی اُسی طرح برقرار رہے گا یعنی جو پارٹی رہنماؤں کی اپنی سیٹیں ہیں اور جہاں جماعتوں کی involvement ہے وہ اسی طرح same رہے گی۔ صوبہ خیبر پختونخواہ میں ANP، مذہبی جماعتیں اور پیپلز پارٹی ہے؛ وہاں بھی مینڈیٹ split ہوگا۔ اس طرح پہلے سے زیادہ split مینڈیٹ کے ساتھ نئی پارلیمنٹ وجود میں آئے گی جو فیصلوں میں مزید کمزور اور بے اختیار ہوگی۔ اگر کسی کے ذہن میں یہ خیال ہے کہ کوئی سیاسی جماعت ان انتخابات میں سویپ کر جائے گی تو اس خواب سے باہر آجائے۔ یہ پاکستان کے کل موجودہ انتخابات کا متوقع انجام ہے۔

(۳) تبدیلی کا صرف ایک راستہ ہے

عزیزانِ وطن! جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ تبدیلی مسلح طاقت سے نہیں آ سکتی، یہ دہشت گردی کا راستہ ہے۔ نہ فوج کے ذریعے آ سکتی ہے کیونکہ یہ آمریت کا راستہ ہے اور نہ موجودہ نظام انتخاب کے ذریعے کیونکہ یہ کرپشن کھولنے کا راستہ ہے۔ اب آخری بات سن لیجیے! اگر قوم عزت کے ساتھ جینا چاہتی ہے، اس قوم کے نوجوان پڑھے لکھے لوگ وقار کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتے ہیں اور بزرگوں کا حاصل کیا ہوا یہ وطنِ عزیز غیروں کے ہتھے چڑھنے سے بچانا چاہتے ہیں تو اس کا صرف اور صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اِس نظامِ انتخاب کے خلاف بغاوت کے لیے کھڑے ہو جایئے، یہی تبدیلی کا راستہ ہے۔ اس نظامِ انتخاب کو یکسر مسترد کر دیا جائے۔ آپ پوچھیں گے کہ یہ کس طرح ممکن ہوگا۔ میں کہتا ہوں اس کی مثالیں خلیج اور عرب ممالک کی حالیہ لہر میں موجود ہیں جس کے تحت مصر، لیبیا اور تیونس کے لوگوں نے تبدیلی کو ممکن بنایا۔ جس طرح ایران کے عوام نے شہنشاہیت کو رخصت کیا۔ یہ نظامِ انتخاب آپ کا رضا شاہ پہلوی ہے جس کے خلاف ایرانی قوم اٹھی تھی، یہ نظام انتخاب آپ کے ملک کا قذافی ہے جس کے خلاف لیبیا کی عوام اُٹھی، اِس نظام کے خلاف اُس طرح اُٹھیے جس طرح تیونس اور مصر کے لوگ اُٹھے اور عشروں سے قائم آمریت کا تختہ الٹ دیا۔

(۴) ابھی وقت ہے!

اِس موقع پر ایک حدیث مبارکہ کا حوالہ دے رہا ہوں جو بڑی relevant ہے اور ہمارے آج کل کے حالات پر اس کا کامل اطلاق ہوتا ہے۔ اسے حکیم ترمذی نے 'نوادر الاصول' میں بیان فرمایا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے دریافت فرمایا:

هَلْ تَدْرِي أَيَّ النَّاسِ أَعْلَمُ؟

کیا تمہیں معلوم ہے کہ سب سے بہتر جاننے والا (اور سمجھنے والا) آدمی کون ہے؟

عبد اللہ بن مسعود ﷺ نے عرض کیا:

اَللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ.

اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

فَإِنَّ أَعْلَمَ النَّاسِ أَبْصَرُهُمْ بِالْحَقِّ، إِذَا اخْتَلَفَ النَّاسُ. (۱)

سب سے بہتر جاننے والا وہ شخص ہے جو لوگوں میں اِختلافِ (رائے) کے وقت حق کی سب سے زیادہ بصیرت رکھنے والا ہو۔

یعنی جب لوگوں میں رائے بٹ جائے اور اِختلاف پیدا ہو اور کسی کو یہ پتا نہ چلے کہ حق کیا ہے، تو اُس وقت حق کو کامل بصارت اور بصیرت کے ساتھ دیکھنے، جاننے اور سمجھنے والا شخص ہی بڑا عالم ہوگا۔ یہ بات فرما کر آقا ﷺ نے فرمایا:

وَاخْتَلَفَ مَنْ كَانَ قَبْلَنَا عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ فِرْقَةً، نَجَا مِنْهُمْ ثَلَاثٌ وَهَلَكَ سَائِرُهَا فِرْقَةً. (۲)

اور ہم سے پچھلے لوگ (نصاریٰ) بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے۔ ان میں سے تین فرقوں کو نجات ملی اور باقی سب ہلاک ہوگئے۔

72 فرقوں میں سے تین کو اللہ رب العزت نے بچا لیا۔ اس حدیث نبوی میں پاکستانی قوم کے لیے بہت اہم پیغام ہے۔ وہ تین فرقے کون سے تھے؟ آقا ﷺ نے فرمایا

(۱) حکیم ترمذی، نوادر الأصول فی أحادیث الرسول ﷺ، ۱:۸۶

(۲) حکیم ترمذی، نوادر الأصول فی أحادیث الرسول ﷺ، ۱:۸۷

www.Nizambadlo.com - www.facebook.com/Tahirulqadri

کہ اللہ کے ہاں سرخرو ہونے اور نجات پانے والا پہلا طبقہ وہ تھا جو ان حکمرانوں اور لیڈروں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا جو قوم میں تباہی کرنے والے، دین کی قدروں کو مسمار کرنے والے، قوم کے حقوق پہ ڈاکہ زنی کرنے والے، قوم کو گمراہ کرنے والے، قوم کے اَخلاق و اَعمال کو برباد کرنے والے، قوم پر ظلم کرنے والے؛ غرضیکہ ہر لحاظ سے پوری society کو برباد کرنے والے تھے۔

اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں ہم اپنے احوال کا جائزہ لیں تو ہماری معاشرتی، سماجی، معاشی، سیاسی، اخلاقی تباہی و ابتری کی ذمہ دار بھی یہی political leadership ہے۔ سو ایک طبقہ جس کو نجات ملی وہ وہی تھا جو دینِ عیسی کو بچانے کے لیے ان حکمرانوں اور لیڈروں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا یعنی اس طبقہ نے اپنے دین کی قدروں اور تعلیمات کو بچانے کے لیے جہاد کیا۔ یاد رہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کی تعلیمات زیادہ تر رحمت، اخلاقیات اور انسانی قدروں پر مبنی تھیں اور ان کے لیے شریعت کے احکام وہی تھے جو سیدنا موسی علیہ السلام پر نازل ہونے والی آسمانی کتاب تورات سے چلے آرہے تھے۔ وہ طبقہ جو دینِ عیسی کو بچانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا حکمرانوں نے ان لوگوں کو قتل کر دیا کیونکہ ظالم اور جابر فراعین کبھی نہیں چاہتے کہ کوئی ان کے سامنے سر اٹھائے اور ان کے باطل کو باطل، ان کے جھوٹ کو جھوٹ کہے، ان کے ظلم کو ظلم کہے اور ان کے مکارانہ افعال پر انگلی اٹھائے۔ چنانچہ دینی قدروں کو بچانے پر وہ شہید کر دیے گئے۔ یہ وہ طبقہ تھا جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے نجات دے دی یعنی آخرت میں دوزخ میں جانے سے بچا لیا۔

پھر آقا ﷺ نے فرمایا کہ دوسرا طبقہ وہ تھا کہ جن کے اندر اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ حکمرانوں سے ٹکرا سکیں ان سے جنگ لڑ سکیں اور حکمرانوں کے خلاف عملاً برسرِ پیکار ہوسکیں۔ وہ اپنی قوم پر ہونے والی نا انصافیوں اور مظالم کے خلاف ان کے مردہ قلوب و اَذہان میں شعور کو بیدار کرنے کے لیے بیداریِ شعور کا علم لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ وہ دوسرا طبقہ ہے جس میں آپ کو شامل کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اس دوسرے طبقے

نے قوم کو اللہ کے دین کی طرف بلایا، انہیں حق پر ثابت قدم رہنے اور انسانی واخلاقی قدروں کے احیاء کی جدوجہد میں شامل ہونے کی دعوت دی امانت و دیانت اور سچائی پر اپنی زندگیوں کو استوار کرنے پر اُبھارا۔ اس دوسرے طبقے کے لوگ حکمرانوں سے تو نہیں لڑ سکے مگر عوام کے اندر ان کا شعور بیدار کرنے کے لیے دعوت اِلی الحق لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے، انہوں نے اپنی طرف سے پوری کاوش کی مگر ان کی اس جد و جہد کو بھی ان ظالم و جابر فرعون حکمرانوں نے برداشت نہ کیا اور اس دوسرے طبقے کو بھی شہید کر دیا۔ اس دوسرے طبقے کو بھی اللہ تعالیٰ نے نجات بخشی اور اُسے ہلاک ہونے یعنی آخرت میں ناکام ہونے سے بچا لیا۔

ہمارے لیے اس میں بہت بڑا پیغام ہے۔ ہمارے حکمران ابھی اس قدر جبر و استبداد کرنے کے قابل نہیں ہوئے کہ قتل و غارت گری سے بیداریِ شعور کی مہم کو ناکام کرسکیں۔عوام کا شعور بیدار کرنے کے لیے اٹھیں، عوام کو حق سے آگاہ کرنے کے لیے اور اس نظام کے دجل وفریب اور عیاری و مکاری کا پردہ چاک کرنے کے لیے پرُاَمن طریقے کی جد و جہد کریں۔ اگر ہم یونین کونسل لیول پر، تحصیلوں اور اَضلاع میں حسبِ قانون پُراَمن اجتماعات کے ذریعے اِحتجاج کرتے ہیں، کوئی توڑ پھوڑ نہیں کرتے، کسی شخص کو گزند نہیں پہنچاتے، کسی بلڈنگ کو نقصان نہیں ہونے دیتے، کوئی تشدد کی کارروائی نہیں کرتے، سراپا اَمن بن کر پُراَمن احتجاج کرتے ہیں اور لوگوں کو حقائق سے آگاہ کرتے ہوئے ان کے شعور کو بیدار کرنے کی جد و جہد کرتے ہیں، اس مقصد کے لیے گول میز کانفرنس کرتے ہیں، سیمینار کرتے ہیں یا پمفلٹ شائع کرتے ہیں تو ابھی اس کا موقع ہے۔ یہ سارے وہ طریقے ہیں جنہیں non-violent means کہتے ہیں۔ یہ بیداری شعور کے لیے non-violent resistance ہے۔ ابھی صورت حال اس مقام پر نہیں پہنچی کہ پُراَمن جد و جہد کے سارے راستے مسدود کر دیے جائیں اور ایسا کرنے والوں کو قتل کر دیا جائے۔ مگر حدیث مبارکہ میں جس دوسرے طبقے کا ذکر کیا گیا جنہیں پُراَمن ہونے کے

باوجود قتل کر دیا گیا تو اس کی وجہ یہ بنی کہ وہ اپنی جد و جہد میں بہت late ہوگئے تھے۔ شعور بیدار کرنے کی جد و جہد شروع کرنے میں انہوں نے بڑی تاخیر کر دی تھی کیونکہ جب جابر و قاہر، فرعون و نمرود صفت حکمرانوں کا پنجۂ استبداد مضبوط ہو جاتا ہے تو پھر ایسی اٹھنے والی آواز کو بھی ختم کر دیا جاتا ہے۔ ابھی وقت ہے کہ تحریک بیداریِ شعور کے لیے اٹھ کھڑے ہوں، ابھی مہلت ہے۔ پھر یہ بھی نہیں رہے گی اور ظلم و بربریت کا نظام آ جائے گا۔ ہم بتدریج اسی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اِحتجاج کرنے والوں کو جمہوریت کے نام پر کچل دیا جائے گا اور کسی میں آواز اٹھانے کی بھی ہمت نہیں ہوگی۔ آپ کہیں گے: کیسے؟ یہ اس لیے کہ ہمارا ملک کالونی بن چکا ہے۔ بس اس ایک جملے میں سارا کچھ پنہاں ہے یعنی اب ہم آزاد نہیں رہے۔ ابھی بھی وقت ہے کہ اپنی آزادی کی جنگ لڑیں۔ ابھی سودے ہوتے پھرتے ہیں، کچھ ہوگئے کچھ ہو رہے ہیں اور اگر ایسے ہی لوگوں کے پاس قیادت رہی تو مزید سودے مکمل ہو جائیں گے۔

پھر آقا ﷺ نے فرمایا کہ اس کے بعد ایک تیسرا طبقہ وہ تھا جن کے اندر یہ طاقت نہیں تھی کہ حکمرانوں کے سامنے اٹھ کر ڈٹ سکے یا عوام کے اندر کھڑے ہو کر حق بیان کرتے ہوئے ان کے شعور کو بیدار کرنے کی کوئی جد و جہد کر سکے۔ اسی طرح وہ دینِ حق اور اس کی اَقدار کو زندہ کرنے کے لیے دعوت و تبلیغ کی جد و جہد بھی نہیں کر سکے۔ جب یہ دونوں کام نہیں کر سکے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فَسَاحُوا فِي الْجِبَالِ وَتَزَهَّدُوْا فِيْهَا. (1)

تو پھر وہ شہروں کو چھوڑ کر پہاڑوں (اور جنگلوں و غاروں) میں چلے گئے اور وہاں جا کے رہبانیت اختیار کر لی۔

یعنی وہ دنیا سے کٹ کر تنہا غاروں، جنگلوں اور پہاڑوں میں اللہ کی عبادت میں مشغول

(۱) حکیم ترمذی، نوادر الأصول فی أحادیث الرسول ﷺ، ۱:۸۷

www.Nizambadlo.com - www.facebook.com/Tahirulqadri

ہوگئے، آبادیوں سے کٹ گئے، یہی ان کا آخری انجام ہوا۔ اب اگر اپنا دین کسی کو بچانا ہوتو یا تو پہلی یا دوسری option اختیار کرے یا پھر تیسری option کے طور پر وہ جنگلوں، پہاڑوں اور غاروں میں چلا جائے۔ آقا ﷺ نے فرمایا کہ یہ زمانہ میری امت پر بھی آئے گا۔ چنانچہ اس سے پہلے جو کر سکتے ہو کرلو۔

قرآن حکیم میں رہبانیت اختیار کرنے والوں کا ذکر سورۃ الحدید میں ملتا ہے:

وَرَهْبَانِيَّةَ نِابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَاۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَo(۱)

اور رہبانیت (یعنی عبادتِ الٰہی کے لیے ترکِ دنیا اور لذّتوں سے کنارہ کشی) کی بدعت انہوں نے خود ایجاد کر لی تھی، اسے ہم نے اُن پر فرض نہیں کیا تھا، مگر (انہوں نے رہبانیت کی یہ بدعت) محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے (شروع کی تھی) پھر اس کی عملی نگہداشت کا جو حق تھا وہ اس کی ویسی نگہداشت نہ کرسکے (یعنی اسے اسی جذبہ اور پابندی سے جاری نہ رکھ سکے)، سو ہم نے اُن لوگوں کو جو ان میں سے ایمان لائے (اور بدعتِ رہبانیت کو رضائے الٰہی کے لیے جاری رکھے ہوئے) تھے، اُن کا اجر وثواب عطا کر دیا اور ان میں سے اکثر لوگ (جو اس کے تارک ہوگئے اور بدل گئے) بہت نافرمان ہیںo

ان کے لیے قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت میں واضح کردیا گیا کہ اللہ نے ان پر رہبانیت فرض نہیں کی تھی، انہوں نے خود یہ راستہ اپنالیا۔ اس تیسرے طبقے کا قرآن و حدیث نے پورا پس منظر بتا دیا کہ یہ راستہ انہوں نے اپنے طور پر اللہ کی رضا کے لیے اپنایا کہ چلو ہم اگر لوگوں کا شعور بیدار نہیں کرسکتے اور سوسائٹی میں دینی و انسانی اور اَخلاقی

(۱) الحدید، ۵۷:۲۷

قدروں کو زندہ رکھنے کی عملی جد و جہد نہیں کر سکتے یعنی حکمرانوں سے ٹکر نہیں لے سکتے تو پھر اپنا دین بچانے کے لیے غاروں اور جنگلوں میں چلے جائیں۔ چنانچہ وہ راہب بن گئے۔ یہاں سے رہبانیت شروع ہوئی۔ تو جنہوں نے رہبانیت کے حقوق کما حقہٗ ادا کیے تو اللہ نے فرمایا: ہم نے ان کو بھی اجر عطا کر دیا، بیشک یہ ہمارا حکم نہیں تھا مگر چونکہ میری رضا کے لیے انہوں نے یہ راستہ اپنایا، تو ان کو بھی اجر دے دیا۔ لیکن جب اگلی نسلیں آئیں تو وہ اس کے حقوق ادا نہیں کر سکیں؛ یعنی رسم رہ گئی اور حقیقت ختم ہوگئی اور وہ فسق و فجور کی طرف چل پڑے۔

یہ ایک راستہ ہے جو بیداریِ شعور کے سلسلے میں ہمیں اس حدیث مبارکہ سے ملتا ہے۔ آگاہ ہوجائیں کہ ہم اس دور میں داخل ہو چکے ہیں کہ اگر ہم قوم کے شعور کو بیدار کرنے کی جد و جہد جاری نہیں رکھیں گے اور دعوت اِلی الحق کا فریضہ ادا نہیں کریں گے تو دنیا میں جو ہونا ہے وہ تو ہو ہی رہا ہے، مجھے ڈر ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت میں ناکام ہونے والوں میں شامل نہ فرما دے۔ (العیاذ باللہ!)

(۵) فساد کہاں سے جنم لیتا ہے

یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ سوسائٹی میں فساد کہاں سے آتا ہے؟ یاد رکھیں کہ فساد نااَہل حکمرانوں کی طرف سے آتا ہے۔ یہ سیاسی اور حکومتی لیڈروں کی بداَعمالیوں کے باعث رُونما ہوتا ہے۔ یہ بھی حدیث مبارکہ میں ہے جسے قاسم بن مخیّرہ نے روایت کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِذَا صَلَحَ سُلْطَانُكُمْ، صَلَحَ زَمَانُكُمْ؛ فَإِذَا فَسَدَ سُلْطَانُكُمْ، فَسَدَ زَمَانُكُمْ.(۱)

(۱) دانی، السنن الواردة في الفتن، باب ما جاء ان صلاح الزمان بصلاح السلطان و فساده بفساده، ۳: ۶۵۳، رقم: ۲۹۸

www.Nizambadlo.com - www.facebook.com/Tahirulqadri

اگر تمہاری حکومت سنور جائے تو تمہارا زمانہ سنور جائے گا؛ اگر تمہارے اَہلِ حکومت فساد میں مبتلا ہو جائیں تو تمہارا زمانہ بگڑ جائے گا۔

گویا مسلم اُمہ کی بھلائی اس کے حکمران، لیڈروں اور رہنماؤں کے سنور جانے پر منحصر ہے۔ اَہلِ سلطنت اور اَہلِ حکومت بگڑ جائیں، فاسد ہو جائیں اور corrupt ہو جائیں تو زمانہ corrupt ہو جائے گا، یعنی سارا معاشرہ اور سوسائٹی corrupt ہو جائے گی۔

(۶) اِجتماعی اِصلاح کی ناگزیریت

آقا ﷺ نے اِس حدیث مقدسہ کے ذریعہ معاشی، معاشرتی، سماجی اور اَخلاقی اَبتری کی پوری philosophy بیان کر دی ہے۔ یہاں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے اگرچہ اَہلِ حکومت و سلطنت کے بگڑ جانے نے معاشرے کو بگاڑ دیا ہے، تاہم دوسروں سے لاتعلق ہوکر ہمیں اپنا حال سنوارنے اور دوسروں سے کنارہ کش ہوکر اپنے آپ کو بچانے سے تو کوئی نہیں روک رہا۔ ہمیں دوسروں کی کیا پڑی، ہم اپنا گھر درست رکھیں؟ یاد رکھیں! ایسا کریں گے تو ہم پر بھی ہلاکت اور تباہی آ جائے گی۔ ان حالات میں بیداریِ شعور کی مہم ایک اہم فریضہ ہے۔ اِسی کو قرآن و سنت کی زبان میں اَمر بالمعروف و نہی عن المنکر کہتے ہیں۔ اسے صرف سیاسی حالات کی بہتری پر مختص نہ کریں۔ یہ ایک ہمہ جہت اِصطلاح ہے یعنی اس میں سیاسی طور پہ لوگوں کو بیدار کرنا، دینی و مذہبی طور پر بیدار کرنا، عقیدے اور اعتقادی طور پر بیدار کرنا، اَعمال اور اَخلاق میں بیدار کرنا اور فکر اور نظریات میں بیدار کرنا سب شامل ہیں۔ گویا بیداریِ شعور کی یہ مہم ایک ہمہ جہت اور مسلسل تگ و دو ہے۔

(۷) اِجتماعی اِصلاح کو نظر انداز کرنے کے نقصانات

اگر اَہلِ حق صرف اپنی فکر کرنے لگ جائیں اور اِجتماعی اِصلاح کی جد و جہد کو ترک کر دیں تو کیا نتائج نکلتے ہیں۔

1. اِس مضمون کو سمجھنے کے لیے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت کو سنیے، جس

کے مطابق آقا ﷺ نے فرمایا:

إِذَا نَقَضُوا الْعَهْدَ سَلَّطَ اللهُ عَلَيْهِمْ عَدُوَّهُمْ، وَإِذَا لَمْ يَأْمُرُوا بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ سَلَّطَ اللهُ عَلَيْهِمْ أَشْرَارَهُمْ، ثُمَّ يَدْعُو خِيَارُهُمْ فَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ. (۱)

جب لوگ اپنے وعدے توڑنے لگ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کا دشمن ان پر مسلط فرما دے گا؛ اور جب وہ نیکی کا حکم نہیں دیں گے اور برائی سے نہیں روکیں گے تو اللہ ان کے بدترین لوگوں کو ان پر مسلط فرما دے گا؛ پھر ان میں سے نیکو کار دعائیں بھی کریں گے تو ان کی دعائیں قبول نہیں ہوں گی۔

2. اِس مضمون کی ایک اور حدیث امام طبرانی اور ابن ابی شیبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، أَوْ لَيُسَلِّطَنَّ اللهُ عَلَيْكُمْ شِرَارَكُمْ. ثُمَّ يَدْعُوْ خِيَارُكُمْ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ. (۲)

تم ضرور بالضرور نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے منع کرتے رہو گے ورنہ اللہ تعالیٰ تم میں سے برے لوگوں کو تم پر مسلط کردے گا۔ پھر تمہارے اچھے لوگ اللہ تعالیٰ سے

---

(۱) دانی، السنن الواردة فی الفتن، باب ما جاء فیما ینزل من البلاء ویحل من العقوبة بهذه الأقۃ إذا عملت بالمعاصی واشتهرت بالذنوب، ۳: ۶۹۱، رقم: ۳۲۶

(۲) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۲: ۹۹، رقم: ۱۳۷۹

۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۷: ۴۶۰، رقم: ۳۷۲۲۱

۳۔ بزار، المسند، ۱: ۲۹۲، ۲۹۳، رقم: ۱۸۸

۴۔ أبو یعلی، المسند، ۸: ۳۱۳، رقم: ۶۹۱۶

www.Nizambadlo.com - www.facebook.com/Tahirulqadri

(مدد کی) دعا کریں گے لیکن ان کی دعا تمہارے حق میں قبول نہیں ہوگی۔

اَحادیث مبارکہ کی روشنی میں داخلی طور پر ہمیں یہی صورت حال درپیش ہے کہ عوام کے نمائندے دشمن بن کر عوام پر مسلط ہیں؛ جب کہ خارجی طور پر مسلمانوں کے دشمن مسلمانوں پر مسلط ہیں یعنی ہمارا اقتدار در حقیقت کسی اور ہاتھ میں ہے۔ اگر ہم لوگوں کے شعور کو بیدار کرنے کی جد و جہد نہیں کریں گے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا جھنڈا نہیں اٹھائیں گے یعنی جد و جہد کا یہ فریضہ انجام دینا چھوڑ دیں گے تو حضور نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق بدترین دشمن ہمارے اوپر مسلط کر دیا جائے گا۔ یعنی جو سوسائٹی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے حکم سے پہلو تہی اِختیار کرے گی اس صورت میں اس سوسائٹی کے سب سے زیادہ گھٹیا اور کمینے لوگ ان کے لیڈر اور حکمران بن جائیں گے۔ یاد رکھیں! علماء، اَئمہ، خطباء - جو اپنے مناصب کے حوالے سے سب سے زیادہ ذمہ دار ہیں - اگر شرم و حجاب اور خوف کے باعث چپ رہیں گے اور باطل کے خلاف جرات سے کام نہیں لیں گے تو پھر اَشرار لوگ ان کے اوپر مسلط ہو جائیں گے؛ اور اسی طرح اگر سیاسی و قومی طور پہ عوام چپ رہیں گے تو اَشرار سیاسی اور قومی سطح پر مسلط ہو جائیں گے۔ دیکھا جائے تو بے عملی کے حوالے سے حکمرانوں اور عوام کا تعلق reciprocal ہے، حکمران برے اور بدکردار ہوں گے تو عوام میں فساد آ جاتا ہے اور اگر عوام بُرے ہوں تو بدکردار حکمران ان پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ یعنی ان حالات میں ان کے اَخیار، اولیاء و صالحین، نیک اور شب زندہ دار پرہیزگار لوگ قوم کے لیے دعائیں بھی کریں تو ان کی دعاؤں کو قوم کے حق میں اللہ قبول نہیں کرے گا۔ کیوں؟ اس لیے کہ داعیین اور قوم دونوں نے اپنا فریضہ ادا نہیں کیا۔ خود پر ظلم کیا اور اَشرار یعنی گھٹیا، کمینے، خائن اور بددیانت لوگوں کو اپنے اوپر مسلط کرنے کا خود سبب بنے ہیں۔

ہماری سیاسی تاریخ اِس اَمر کی شاہد ہے کہ لوگ بار بار اپنا ووٹ دے کے اَشرار کو اَخیار کے اوپر لائے۔ اِس طرح انہوں نے خائن اور کرپٹ لوگوں پسند کیا ہے اور اپنے

ہاتھوں سے اپنے دشمنوں کو خود پر مسلط کیا ہے۔ یہ جرم چونکہ عوام نے کیا ہے تو آقا ﷺ نے فرمایا کہ ان کے حق کے پھر اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے اولیاء اور صالحین کی دعائیں بھی قبول نہیں کرے گا۔ جیسے کہا گیا کہ

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

(۸) عذابِ اِلٰہی کا نزول

جب کوئی سوسائٹی یا قوم اللہ تعالیٰ کے حکمِ اَمر بالمعروف و نہی عن المنکر کو چھوڑ دے اور لاتعلق ہو جائے تو گناہ عام ہونے لگتے ہیں۔

1. امام ابو داود حضرت هُشَیم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے قدرت رکھنے کے باوجود برے کاموں سے منع نہ کرنے والوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

مَا مِنْ قَوْمٍ يُعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِي، ثُمَّ يَقْدِرُوْنَ عَلَى أَنْ يُّغَيِّرُوْا، ثُمَّ لاَ يُغَيِّرُوا إِلَّا يُوْشِكُ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللهُ مِنْهُ بِعِقَابٍ. (۱)

جس قوم میں بھی برے کاموں کا اِرتکاب کیا جائے، پھر لوگ اِن برے کاموں کو روکنے پر قدرت رکھنے کے باوجود بھی نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے عذاب میں مبتلا کر دے۔

2. حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں اَمر بالمعروف و نہی عن المنکر کو نظر

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۶۴، رقم: ۱۹۲۵۰
۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الملاحم، باب الأمر والنهي، ۴:۱۲۲، رقم: ۴۳۳۸
۳۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، ۲:۱۳۲۹، رقم: ۴۰۰۹

www.Nizambadlo.com - www.facebook.com/Tahirulqadri

انداز کرنے والوں کو تنبیہ کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ تَقْرَءُوْنَ هَذِهِ الْآيَةَ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾[1] وَإِنَّا سَمِعْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوا الْمُنْكَرَ فَلَمْ يُنْكِرُوهُ أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللهُ بِعِقَابِهِ.[2]

اے لوگو! تم یہ آیت مبارکہ تو پڑھتے ہی ہو: ﴿اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو، تمہیں کوئی گمراہ نقصان نہیں پہنچا سکتا اگر تم ہدایت یافتہ ہو چکے ہو﴾۔ اور بے شک ہم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: لوگ جب برائی کو پنپتے ہوئے دیکھیں اور اس کو نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے عذاب میں مبتلا کر دے۔

3. حضرت جریر ﷺ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے برائی کو روکنے کی قدرت رکھنے کے باوجود نہ روکنے والوں کو عذابِ اِلٰہی سے ڈراتے ہوئے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُوْنُ فِي قَوْمٍ يُعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِي يَقْدِرُوْنَ عَلَى أَنْ يُّغَيِّرُوْا عَلَيْهِ فَلاَ يُغَيِّرُوْا إِلَّا أَصَابَهُمُ اللهُ بِعَذَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَّمُوْتُوا.[3]

---

(۱) المائدة، ۵: ۱۰۵

(۲) احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲، رقم: ۱

(۳) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الملاحم، باب الأمر والنهي، ۴: ۱۲۲، رقم: ۴۳۳۹

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۵۳۶، رقم: ۳۰۰

۳۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲: ۳۳۲، رقم: ۲۳۸۲

www.Nizambadlo.com - www.facebook.com/Tahirulqadri

جو شخص بھی ایسی قوم میں رہتا ہو جس میں برے کام کیے جاتے ہوں اور لوگ ان کو روکنے کی قدرت رکھنے کے باوجود نہ روکتے ہوں تو اللہ تعالیٰ انہیں ان کی موت سے قبل عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

یعنی جس سوسائٹی میں ظلم اور گناہ عام ہونے لگیں، نا انصافی عام ہو جائے، جبر و بربریت اور خیانت اور کرپشن کا دور دورہ ہو، سرِ عام جھوٹ بولا جائے، لوگوں کے حق تلف کیے جائیں اور لوگ ظالموں کو ظلم سے روکنے کے لیے اور بددیانت کرپٹ لوگوں کو کرپشن سے روکنے کے لیے حرکت میں نہ آئیں؛ وہ اپنے حقوق کی خاطر ان کے گریبانوں پر ہاتھ نہ ڈالیں اور حالات کو بدلنے کے لیے اپنا فریضہ ادا نہ کریں بلکہ ہر بار پلٹ کر پھر انہی کو ووٹ دے کے اپنے کندھوں پر سوار کرتے رہیں - یعنی انہیں اپنا حکمران بناتے رہیں - تو پھر اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو اپنے عذاب کی لپیٹ میں لے لے گا اور اس میں نیک و بد کا فرق نہیں رہے گا۔

4. حضرت ابو عبیدہ ﷺ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں خرابی اس لیے پختہ ہو گئی تھی کہ انہوں نے اِحقاقِ حق اور اِبطالِ باطل کا فریضہ ترک کر دیا تھا۔ 'جامع الترمذی' میں مروی فرمانِ رسول ﷺ ملاحظہ کریں:

إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيْلَ لَمَّا وَقَعَ فِيْهِمُ النَّقْصُ كَانَ الرَّجُلُ يَرَى أَخَاهُ عَلَى الذَّنْبِ فَيَنْهَاهُ عَنْهُ. فَإِذَا كَانَ الْغَدُ لَمْ يَمْنَعْهُ مَا رَأَى مِنْهُ أَنْ يَكُوْنَ أَكِيْلَهُ وَشَرِيْبَهُ وَخَلِيْطَهُ. فَضَرَبَ اللهُ قُلُوْبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ وَنَزَلَ فِيْهِمُ الْقُرْآنُ. فَقَالَ: ﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ إِسْرَائِيْلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ﴾. [1] فَقَرَأَ حَتَّى بَلَغَ: ﴿وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ

(١) المائدة، ٥: ٧٨

أُنزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلٰكِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ فَاسِقُونَ﴾. [1]
قَالَ: وَكَانَ نَبِيُّ اللهِ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ، فَقَالَ: لَا، حَتّٰى تَأْخُذُوا عَلٰى يَدِ الظَّالِمِ فَتَأْطُرُوهُ عَلَى الْحَقِّ أَطْرًا. [2]

جب بنی اسرائیل میں خرابی واقع ہوتی تو اس وقت ان میں سے بعض لوگ اپنے دوسرے بھائی کو گناہ کرتے دیکھ کرمنع کرتے۔ لیکن جب دوسرا دن ہوتا تو اس خیال سے نہ روکتے کہ اس کے ساتھ کھانا پینا اور ہم مجلس ہونا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو باہم مخلوط کر دیا۔ ان کے بارے میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی ہے: ﴿بنی اسرائیل میں سے جو کافر ہوئے ان پر داؤد (علیہ السلام) اور عیسی بن مریم (علیہما السلام) کی زبان سے لعنت کی گئی۔ یہ اس لیے کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے گزر گئے تھے﴾۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت یہاں تک پڑھی: ﴿اور اگر وہ اللہ تعالیٰ اور نبی پر اور اس چیز پر جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے ایمان لاتے تو کافروں کو دوست نہ بناتے۔ لیکن ان میں سے اکثر نافرمان ہیں﴾۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضور نبی اکرم ﷺ تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ پس آپ ﷺ اُٹھ بیٹھے اور فرمایا: تم بھی عذابِ الٰہی سے اس وقت تک نجات نہیں پا سکتے جب تک کہ تم ظالم کا ہاتھ پکڑ کر اُسے راہِ راست پر نہ لے آؤ۔

---

(١) المائدة، ٥: ٨١

(٢) ١۔ أبو داود، السنن، كتاب الملاحم، باب الأمر والنهي، ٤: ١٢١، رقم: ٤٣٣٦
٢۔ ترمذي، السنن، كتاب تفسير القرآن، باب ومن سورة المائدة، ٥: ٢٥٢، رقم: ٣٠٤٨
٣۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، ٢: ١٣٢٧، رقم: ٤٠٠٦

www.Nizambadlo.com - www.facebook.com/Tahirulqadri

5. حضرت قیس بن ابی حازم بیان کرتے ہیں کہ سیدنا صدیق اکبر ﷛ نے منبر پر کھڑے ہوکر بیان کیا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ، ثُمَّ لَمْ يَأْخُذُوْا عَلٰى يَدَيْهِ أَوْشَكُوا أَنْ يَّعُمَّهُمُ اللهُ بِعِقَابٍ. (۱)

بے شک لوگ جب کسی ظالم شخص کو دیکھتے ہیں اور پھر اس کے ہاتھوں کو (ظلم کرنے سے) نہیں روکتے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو عذاب میں مبتلا کردے۔

یعنی اگر لوگ خود پر ظلم و ناانصافی ہوتا دیکھ کر بھی خوابِ غفلت سے بیدار نہ ہوں تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی گرفت اور عذاب میں ساری قوم کو شریک کرے گا۔ آپ خود سوچیے کیا ایک ایک حدیث کا اِطلاق ہمارے حالات پر نہیں ہو رہا ہے؟ اس کا ایک ہی علاج ہے کہ تحریک منہاج القرآن کا ہر فرد آقا ﷺ کے اِس پیغام کو لے کر اس قوم کے ایک ایک شخص کے شعور کو بیدار کرنے کے لیے اُٹھ کھڑا ہو۔ تحریک منہاج القرآن کو بیداریِ شعور کی تحریک بنا دیں اور یہ تحریک سیاسی، دینی، مذہبی، اِعتقادی، اَخلاقی، سماجی، معاشرتی ہر پہلو کو محیط ہونی چاہیے۔ پہلے اپنا شعور بیدار کریں، اپنے اَحوال کی اصلاح کریں۔

6. اس حوالے سے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اور ارشاد بڑا واضح ہے۔ حضرت عدی ﷛ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو عوام و خواص کے عذاب میں مبتلا ہونے کا سبب بیان کرتے ہوئے سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ ﷻ لَا يُعَذِّبُ الْعَامَّةَ بِعَمَلِ الْخَاصَّةِ حَتّٰى يَرَوا الْمُنْكَرَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ، وَهُمْ قَادِرُوْنَ عَلٰى أَنْ يُّنْكِرُوْهُ فَلَا يُنْكِرُوْهُ. فَإِذَا فَعَلُوْا

---

(۱) بیہقی، السنن الکبری، کتاب آداب القاضی، باب یستدل بہ علی أن القضاء وسائر أعمال الولاۃ، ۱۰: ۱۵۶

www.Nizambadlo.com - www.facebook.com/Tahirulqadri

ذَالِکَ عَذَّبَ اللهُ الْخَاصَّةَ وَالْعَامَّةَ.(1)

بے شک اللہ تعالیٰ عوام کو خاص لوگوں کے برے اعمال کے سبب سے عذاب نہیں دیتا یہاں تک کہ وہ (عوام) اپنے درمیان برائی کو کھلے عام پائیں اور وہ اس کو روکنے پر قادر ہونے کے باوجود نہ روکیں۔ پس جب وہ ایسا کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ ہر خاص و عام کو (بلا امتیاز) عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔

اگر برائی، کرپشن، ظلم اور ناانصافی کو ہوتا ہوا دیکھتے رہیں اور ان کو روکنے اور نظام کو بدلنے کی بجائے پھر اُسی ظالمانہ نظام کو ووٹ دیتے رہیں تو اس سے بڑھ کر بدبختی کیا ہوسکتی ہے؟ یاد رکھیں! جب ہم کسی شخص کو ووٹ دیتے ہیں تو فی الحقیقت ووٹ اس شخص کو نہیں بلکہ منتخب ہونے والے فرد کی کرپشن کو قانونی جواز دے رہے اس نظامِ اِنتخابات کو جارہا ہے جو نظام ہمارا قومی دشمن ہے۔ اس کے خلاف نفرت کو بلند کریں اور پُراَمن طریقے سے مسلسل اپنا احتجاج ریکارڈ کروائیں۔

۷۔ سیاست یا ریاست؟

اب ایک ہی چوائس ہے: سیاست بچایئے یا ریاست بچایئے۔ یہ ملک ہمارے بزرگوں نے سیاست کی اس خودغرضانہ مشق کے لیے نہیں بنایا تھا، لہٰذا نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ آگے آئیں اور اس ملک کی سیاست نہیں بلکہ ریاست بچائیں، اس کے آئین و دستور کو بچائیں۔ اس نظامِ اِنتخابات کے خلاف جد و جہد ہی تبدیلی کا واحد راستہ ہے۔ اِس نظامِ سیاست و اِنتخابات کو مسترد کریں اور پوری قوم سڑکوں پر آ جائے۔ جب پوری قوم سڑکوں پر آ جائے گی اور کہے گی کہ یہ نظام ہمیں نہیں چاہیے تو سپریم کورٹ قوم کی آواز پر

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۹۲، رقم: ۱۷۷۵۶

۲۔ مالك، الموطأ، كتاب الكلام، باب ما جاء في عذاب العامة بعمل الخاصة، ۲: ۹۹۱، رقم: ۱۷۹۹

ایکشن لینے کی پابند ہو جائے گی۔ قومی اتفاق رائے سے (جس کا طریقہ موجود ہے) ایک غیر سیاسی اور غیر فوجی قومی حکومت تشکیل دی جائے جس میں اعلیٰ کردار کی بے داغ سیاسی شخصیات یا عدلیہ کے اچھی شہرت کے ایماندار ریٹائرڈ جج صاحبان، فوجی، سماجی حلقوں کے صالح اور اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کے حامل اَشخاص اور مذہبی حلقوں سے خوفِ خدا رکھنے والے مصلحین شامل ہوں جو مل بیٹھ کر آئین پاکستان کے تابع ایک نیا social contract وضع کریں؛ جو ملک سے برائیوں کا قلع قمع کریں۔ کرپشن اور لوٹ مار کی اندھیر نگری کو روکیں اور مقروض معیشت کو بہتری کی طرف گام زن کریں اور تمام برائیوں سے پاک ایسا نظام اِنتخاب تشکیل دیں جس میں غریب کا بچہ بھی الیکشن لڑ سکے، پی ایچ ڈی، ماہر معیشت، جرنلسٹ، انجینئر، ڈاکٹر غرضیکہ ہر پڑھا لکھا شخص بھی الیکشن لڑ سکے، اور الیکشن پر اٹھنے والے بے پناہ اخراجات پر مکمل پابندی لگا دی جائے۔ یہی وہ واحد طریقہ ہے جس کے ذریعے حقیقی جمہوری طریق پر ایسے ایمان دار، مخلص اور دردِ دل رکھنے والے اَرکانِ اسمبلی کا چناؤ عمل میں لایا جاسکتا ہے ملک کی تقدیر بدل کر رکھ دیں۔

پاکستان جس مہلک مرض میں مبتلا اور گرفتار ہے اس کی ہم نے تشخیص کر دی کہ ہمارا دشمن کوئی فرد نہیں، کوئی جماعت نہیں بلکہ ہمارا دشمن یہ نظام ہے۔ ایک سٹیج سجا ہے جس پر مختلف لوگ تبدیلی کا نام لے کر آ رہے ہیں مگر سارے وہی پرانے لوگ ہیں جو ہر دور میں رہے ہیں۔ ایک بار پھر مختلف جماعتوں میں شامل ہورہے ہیں۔ سیاسی جماعتوں کی مجبوری ہے ان کے بغیر الیکشن نہیں لڑا جاسکتا۔ ان کے بغیر سیٹیں نہیں جیتی جاسکتیں۔ جب تک نظام نہیں بدلتا حالات نہیں بدل سکتے۔

لوگو! ...... اُٹھو! پاکستان کو بچانے کے لیے میدانِ عمل میں کود جاؤ! ...... یہی ملک کو بچانے اور اس میں 'حقیقی تبدیلی (change)' لانے کی واحد سبیل ہے۔ میڈیا اور قوم اس نقطہ نظر پر مباحث کا آغاز کریں تاکہ ایک قومی اتفاق رائے develop ہو۔ اس سے قوم کے اندر شعور پیدا ہوگا اور وہ تبدیلی کے لیے تیار ہوں گے۔ اس موقع پر میڈیا کے

سامنے یہ وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارا یہ انقلاب ہرگز سول نافرمانی کی کوئی تحریک نہیں ہے اور نہ ہی ریاستی مشینری کے خلاف کوئی کوشش ہوگی۔ یہ ایک پُرامن اِنقلابی جد و جہد ہے تاکہ قوم خوابِ غفلت سے بیدار ہو اور نظامِ اِنتخابات کو مسترد کردے۔ قوم کے متحد ہو کر گھروں سے باہر نکلنے کی دعوت یہ ثابت کردے کہ اسے یہ باطل، غیر منصفانہ اور ظالمانہ نظامِ سیاست ناپسند ہے اور وہ تبدیلی چاہتی ہے۔ اِس سے اِنقلاب انگیز تبدیلی کا آغاز ہوگا، ...... ایک نئی تحریک پاکستان کا آغاز ہوگا، ...... ایک نیا سوشل کنٹریکٹ جنم لے گا اور ایک نئے پاکستان کی بنیاد رکھی جائے گی: ...... ایک آزاد وخودمختار، روشن، خوش حال، مستحکم، مضبوط، متحد اور فلاحی پاکستان ...... ایک ایسا پاکستان جہاں ہر شہری کو مساوی مواقع میسر ہوں ...... سب کے حقوق محفوظ ہوں ...... جہاں اِنصاف کا بول بالا ہو ...... قانون کی حکمرانی ہو ...... معاشی مساوات ہو ...... یکساں نظامِ تعلیم رائج ہو ......عوام آزاد ہوں ...... حکمران قوم کے حقیقی خادم ہوں ...... سب کی جان و مال کو مکمل تحفظ حاصل ہو ...... دہشت گردی و اِنتہاء پسندی کا نام و نشان نہ ہو ...... اور ہر پاکستانی کو صحیح معنوں میں پاکستانی ہونے پر فخر ہو۔

ایک حقیقی اِسلامی فلاحی جمہوری پاکستان!!!

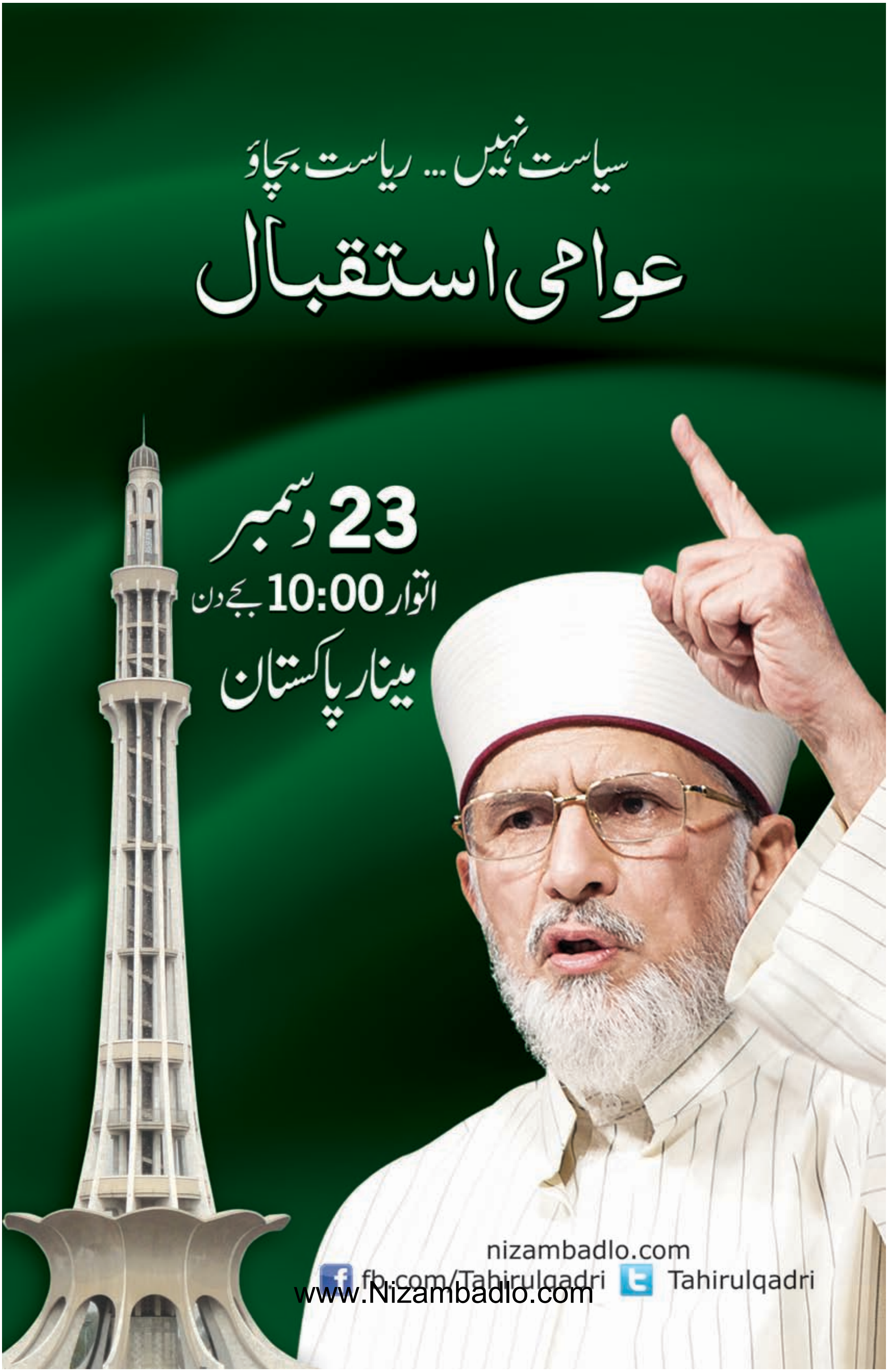

www.Nizambadlo.com